نقلی چہرہ
اشتیاق احمد

محمود ، فاروق ، فرزانہ

اور ــــ انسپکٹر جمشید سیریز ۲۵

نقلی چہرہ

اشتیاق احمد

اہتمام اشاعت

طاہر ایس ملک

پبلشر : ترتیب پبلشرز، لاہور۔

پرنٹر : عظیم علیم پرنٹرز، لاہور۔

قیمت : -/10 روپے۔

ترتیب پبلشرز

1- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

حدیث شریف:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں جو اپنے حریف کو میدان میں، پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے، جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

(صحیح مسلم ـ مشکوٰۃ)

دو باتیں

السلام علیکم !

پسند اور ناپسند ہر فن کار، ہر کاریگر، ہر لیڈر، ہر مصنف اور اس قسم کے تمام دوسرے لوگوں کے لیے ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے ..... ہر شخص کی ہر چیز ہر آدمی کو پسند نہیں آتی ..... میں بھی اس دنیا کا انسان ہوں۔ لہٰذا اگر میرے پڑھنے والے ہزاروں لوگوں میں سے چند لوگوں کو میری کچھ تحریریں پسند نہیں آتیں تو یہ کوئی ایسی تعجب یا پریشانی کی بات نہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر جو اعتراض کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی باتیں بہت طویل ہو جاتی ہیں ..... ذرا غور کریں ..... ان کی باتیں تو شروع ناول سے طویل چلی آ رہی ہیں اور پڑھنے والوں کو بھی زیادہ تر پسند ہیں، پھر بھی میں انہیں کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں ..... اب قلم ہی بے لگام ہو جائے تو کیا کروں۔ شکریہ !

چکر چلنے والا ہے

"یار فاروق کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔" محمود کی حیرت زدہ آواز فاروق کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ تم خواب دیکھ رہے ہو یا نہیں، دنیا کا کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے یا نہیں، تاہم چونکہ تمہاری آنکھیں کھلی ہیں، اس لیے میں اندازا ضرور لگا سکتا ہوں کہ تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے، ہاں اگر جاگتے میں خواب دیکھ رہے ہو تو اور بات ہے۔"

"توبہ ہے تم سے ..... بال کی کھال کی طرح چمٹ جاتے ہو ایک بات کے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"چلو شکر کرو، بال کی کھال تو نہیں اتارتا۔" فاروق مسکرایا۔

"تم نے یہ نہیں پوچھا ..... میں نے وہ جملہ کیوں کہا تھا۔"

"پوچھنے کی ضرورت بھی کیا ہے، میں جانتا ہوں، تم خود ہی بتا دو گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔" محمود نے برا مان

کر کہا۔

"ارے ارے..... تم تو ناراض ہو گئے..... چلو میں پوچھ لیتا ہوں
.... بتاؤ تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ کہیں تم خواب تو نہیں دیکھ رہے؟"
اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو میرا۔"

"کوشش کیا.... اڑا بھی چکا ہوں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھنا کر ران پہ ہاتھ مارا۔ "تم جانتے
ہو، میں اپنا مذاق اڑوانا پسند نہیں کرتا۔"

"ابھی ابھی یہ بات معلوم ہوئی ہے۔"

"سنو.... بلکہ سنو نہیں.... دیکھو.... ادھر دائیں طرف.... یہاں
سے تیسرے بنچ پر۔" محمود نے ہاتھ سے اشارہ کرنے کی بجائے کن انکھیوں
سے کام لیا۔

"اچھا.... میں دیکھ رہا ہوں.... پھر کیا بات ہے.... مجھے تو یہاں
کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔"

"بھئی کیا تمہیں بنچ پر کوئی بیٹھا نظر نہیں آ رہا؟" محمود نے عاجز
آ کر کہا۔

"کیوں نہیں رہا، میری نظر کمزور تھوڑا ہی ہے.... میں صاف
دیکھ رہا ہوں کہ وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہے۔"

"اس نوجوان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"یہ نوجوان..... ہاں..... بہت خوبصورت نوجوان ہے..... سنجیدہ طبیعت
کا جان پڑتا ہے..... میرا خیال ہے..... یہ تنہائی کا شکار ہے، کیا تم
اس کی تنہائی رفع کرنا چاہتے ہو؟"

"یار تمہاری عقل پر تو شاید پتھر پڑ گئے ہیں۔"

"کیوں کیوں..... یہ میری عقل کا پتھروں سے کیا تعلق نکل آیا، میں
پتھر کے زمانے میں تو پیدا نہیں ہوا تھا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یار تم نے صبح اخبار دیکھا تھا۔"

"بالکل دیکھا تھا، ہر روز ہی دیکھتا ہوں۔"

"تب پھر تم نے شاید اس انعامی اشتہار کو غور سے نہیں پڑھا،
اور نہ اشتہار کے ساتھ شائع ہونے والی تصویر کو دھیان سے دیکھا۔"

"ہاں! تمہاری یہ بات بالکل ٹھیک ہے..... میں ایسے اشتہارات پر
کوئی توجہ نہیں دیتا۔"

"جب کہ میں خاص توجہ دینے کا عادی ہوں، انعام کے لالچ میں نہیں،
اس نظریے سے کہ شاید میں کسی مصیبت زدہ کے کام آ سکوں۔"

"اوہ! واقعی..... یہ میں آج تک غلطی کرتا رہا ہوں....." فاروق نے
افسوس زدہ لہجے میں کہا۔ پھر چونک کر بولا:

"تو.... تو کیا..... اس اشتہار میں دی گئی تصویر اس نوجوان کی تھی؟"

"ہاں! اور اس کو تلاش کرنے والے کو صرف پچیس ہزار روپے انعام
دیا جائے گا۔" محمود بولا۔

"اوہ!" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کیوں.... اب کیا خیال ہے، ویسے اشتہار میں لکھا تھا کہ یہ نوجوان ذرا غائب دماغ ہے.... یادداشت کبھی کبھی غائب ہو جاتی ہے.... اور اس کی وجہ بچپن میں لگنے والی ایک چوٹ ہے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ہم اس کے گھر تک پہنچائیں۔" فاروق نے سوالیہ نظروں سے محمود کو دیکھا۔

"ہاں! لیکن مطلب، انعام حاصل کرنا نہیں، بلکہ دوسروں کو خوشی دینا ہے، جب اس کے گھر والے اسے دیکھیں گے تو انہیں کس قدر خوشی ہو گی۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن اگر لگے ہاتھوں انعام بھی ہاتھ لگ جائے تو کیا حرج ہے، بھئی اپنے لیے نہ سہی، غریبوں کے لیے لے لیں گے۔" فاروق بولا۔

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے.... پھر کیا تم تیار ہو۔"

"ہاں! اس نیک کام میں میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"تو پھر سنو.... اس کے لیے ہمیں اعظم آباد جانا پڑے گا..... یہ نوجوان اعظم آباد کے نواب فخر الدین کا بیٹا ہے۔"

"اوہو اچھا، میں تو سمجھا تھا، اسی شہر میں کہیں جانا ہوگا، مگر یار.... اس پر آخر ہماری ہی نظر کیوں پڑی، جب کہ اسے نہ جانے کتنے لوگوں نے دیکھا ہوگا۔" فاروق نے کسی قدر حیران ہو کر کہا۔

"دیکھا تو اسے تم نے بھی تھا، لیکن تم نے تو وہ اشتہار پڑھا ہی نہیں تھا، اس طرح ہر آدمی ایسے اشتہار نہیں دیکھتا، نہ ہی ہر آدمی اخبار پڑھتا ہے.... کچھ لوگ اشتہار دیکھتے بھی ہیں تو سرسری نظر سے اور پھر انہیں یاد بھی نہیں رہ جاتا کہ اخبار میں دیکھی جانے والی تصویر کے نقوش کیا تھے، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایسے اشتہارات کی تصویر کو غور سے دیکھتے ہیں اور یاد بھی رکھتے ہیں اور میں ان میں ایک ہوں، اسی لیے یہ مجھے نظر آیا ہے، اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"اس لمبے چوڑے جواب کے لیے شکریہ.... اب میں پوری طرح سمجھ گیا، لیکن بھئی..... ہم اسے اعظم آباد کس طرح لے جائیں گے، اس کے لیے تو ہمیں پہلے ابا جان سے اجازت لینا ہوگی.... پھر دوسرے شہر کا ٹکٹ کٹانا ہوگا، اس دوران تم جیسے غور سے دیکھنے والے اگر کسی اور نے اسے پہچان لیا تو پچیس ہزار کے لالچ میں وہ اسے ہم سے ہتھیا کر خود لے جانا چاہے گا، کہیں ہم کوئی مصیبت نہ مول لے لیں۔"

"تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ پہلے اسے گھر لے چلتے ہیں.... ابا جان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے.... کیا تمہیں اس نوجوان کا نام یاد ہے۔"

"ہاں! اس کا نام صدر الدین ہے۔"

"تو پھر آؤ.... صدر الدین سے بات کریں۔"

دونوں اس وقت نیشنل پارک میں موجود تھے۔ سکول کے کام کے دوران ہی محمود کی نظر اس نوجوان پر پڑی تھی۔ انھوں نے اپنی کتابیں جوں کی توں چھوڑیں اور نوجوان کے دائیں بائیں بنچ پر بیٹھ گئے۔

"ہیلو صدر الدین صاحب .... کیسے کیسے مزاج ہیں۔"

نوجوان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ چند لمحے تک گھبرائے ہوئے انداز میں باری باری دونوں کو دیکھتا رہا پھر خوش ہو کر بولا:

"خدا کا شکر ہے کہ کسی نے میرا نام تو مجھے یاد کرایا، بے شک میرا نام یہی ہے۔"

"تو آپ اپنا نام بھول گئے تھے؟" محمود نے کہا۔

"ہاں! ہزار کوشش کی یاد کرنے کی، لیکن یاد آیا ہی نہیں۔"

"چلیے .... اب تو یاد آگیا، اب آپ کا کیا پروگرام ہے.... کیا آپ اپنے گھر چلنا پسند کریں گے؟"

"گھر.... لیکن مجھے تو یہ بھی یاد نہیں آ رہا کہ گھر ہے کہاں۔"

"آئیے.... ہم آپ کو آپ کے گھر تک پہنچائے دیتے ہیں۔"

"سچ!!" اس نے ننھے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! بالکل سچ .... ہم جانتے ہیں، آپ کا گھر کہاں ہے۔"

"تو پھر جلدی چلیے .... میں تو خود کئی روز سے اپنے گھر جانے کے لیے بہت پریشان ہوں.... اف خدا .... یہ دن میں نے کتنی پریشانی

کے عالم میں گزارے ہیں۔" اس نے کہا اور دونوں کو اس پر ترس آنے لگا۔

وہ ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، تینوں پارک سے باہر نکل آئے۔ دونوں اپنی کتابیں اٹھانا نہیں بھولے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ موٹر سائیکلوں پر بیٹھے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ گھر کے سامنے موٹر سائیکلیں روک کر وہ نیچے اترے تو صدر الدین نے چونک کر گھر کے دروازے اور دیواروں کو دیکھا، پھر انہیں گھورتے ہوئے بولا:

"یہ تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو .... یہ میرا گھر نہیں ہے۔"

"فکر نہ کرو، ہم پہلے اپنے ابا جان سے اجازت لیں گے اور پھر تمہیں لے کر چلیں گے .... تمہارا گھر اس شہر میں نہیں ہے، اس کے لیے ہمیں گاڑی میں سفر کرنا پڑے گا۔"

"اوہو اچھا .... شاید اسی لیے مجھے اپنا گھر نہیں مل رہا تھا۔ میں ایک ایک مکان کو دیکھتا پھرا، نہ جانے میں اپنے شہر سے اس شہر کس طرح آگیا۔" اس نے پیشانی کو مسلتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے شہر کا نام کیا ہے؟"

"شہر کا نام .... نہیں .... میں یہ بھی بھول چکا ہوں۔"

"آپ اعظم آباد میں رہتے ہیں۔"

"ویری گڈ .... بالکل ٹھیک .... میں واقعی اعظم آباد میں رہتا ہوں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اور آپ کے والد کا نام کیا ہے؟" فاروق نے پوچھا، اس دوران
محمود آگے بڑھ کر دستک دے چکا تھا۔

"نواب فخر الدین ..... یہ نام مجھے ابھی یاد آیا ہے۔"

"چلیے خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اپنے والد کا نام تو یاد آ
گیا۔" فاروق نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور فرزانہ کی چہکتی آواز سنائی دی

"آج تم دونوں بہت جلدی آگئے ..... خیر تو ہے ....." ساتھ ہی
اس کی نظر نوجوان پر جم گئی ..... چند لمحے تک وہ اسے بغور دیکھتی
رہی پھر بولی:

"ان صاحب کو کہیں دیکھا ہے ..... ارے یہ وہ تو نہیں جن کے
بارے میں اشتہار شائع ہوا تھا؟"

"تو تم نے بھی وہ اشتہار غور سے دیکھا تھا، کمال ہے۔" فاروق
نے اسے گھورا۔

"اس میں کمال کی کیا بات ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس کے نزدیک، یہ کمال کی ہی بات ہے، یہ حضرت ایسے اشتہار
کو غور سے نہیں دیکھتے۔"

"بہت بُری بات ہے۔"

"ہاں! آج احساس ہو گیا آئندہ میں بھی غور سے دیکھا کروں گا
تمہارا خیال ٹھیک ہے، یہ وہی نوجوان ہیں جن کا اشتہار شائع کرایا گیا

"گویا تم پچیس ہزار روپے کا انعام حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہے
ہو۔" فرزانہ نے ان کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں! ہم چاہتے ہیں، ایک گم شدہ نوجوان اپنے گھر پہنچ جائے۔"
محمود نے کہا۔ اب وہ اندر صحن میں پہنچ گئے تھے، بیگم جمشید نے
باورچی خانے سے پوچھا۔

"گھنٹی محمود نے ہی بجائی تھی نا بیٹی۔"

"جی ہاں امی! یہ دونوں آ گئے ہیں اور اپنے ساتھ ایک مہمان کو
بھی لائے ہیں۔"

"مہمان ..... یہ تو بہت اچھی بات ہے، میں آتی ہوں۔" انہوں نے
کہا اور پھر فوراً ہی باورچی خانے سے نکلتی نظر آئیں۔ محمود نے انہیں
صدر الدین کے بارے میں بتایا۔

"تم نے بہت اچھا کیا، انہیں ساتھ لائے۔" وہ بولیں۔

ٹھیک پانچ بجے انسپکٹر جمشید پہنچ گئے، چائے کے دوران ان کے
سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا۔ آخر وہ بولے:

"ایک ترکیب تو یہ ہے کہ ہم نواب فخر الدین کو فون کردیں اور وہ
اپنے بیٹے کو یہاں سے خود ہی لے جائیں، دوسری یہ کہ میں ان کے
چہرے میں معمولی سی تبدیلی کردوں اور پھر تم انہیں بلا کھٹکے اعظم آباد
لے جاؤ۔"

"دوسری ترکیب ٹھیک رہے گی ..... ذرا ہم بھی اعظم آباد کی سیر ہی

کر آئیں گے۔"

"چلو یونہی سہی ..... لیکن تم نواب صاحب سے پچیس ہزار روپے
نہیں لو گے، اگر وہ اصرار کریں تو ان سے کہہ دینا کہ کسی خیراتی ادارے
کو دے دیں یا کسی ایسے غریب آدمی کو جس کی بیٹیوں کی شادی جہیز
وغیرہ کی وجہ سے رکی ہوئی ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں، اسی نظریے سے تو ہم انہیں لے کر آئے
ہیں، کوئی اور اگر انہیں لے کر وہاں جاتا تو پچیس ہزار خود ہضم کر
جاتا، کسی غریب کا دل میں شاید خیال بھی نہ لاتا۔"

"تو پھر میں ابھی چند منٹ میں تبدیل کر دیتا ہوں ..... تم اسی
وقت روانہ ہو جاؤ ..... کل جمعہ ہے ..... تم رات وہاں ٹھہر بھی
سکتے ہو، کل شام تک اعظم آباد دیکھ کر واپس آجانا۔"

"ابا جان! میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں، کہیں یہ کوئی
گڑبڑ نہ کر دیں یا کوئی ان کے ساتھ گڑبڑ نہ کر بیٹھے۔"

"ہم اتنے بچے نہیں ہیں ..... صاف کیوں نہیں کہتیں کہ اعظم آباد
کی سیر کے ذکر سے تمہارے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔"

"کہاں ..... یہ دیکھو ..... یہاں تو پانی کا نام و نشان بھی نہیں۔" فرزانہ
نے منہ کھول کر دکھایا۔

"چلو فرزانہ کو بھی ساتھ لے جاؤ، کیا حرج ہے ..... ڈیڑھ گھنٹے کا
تو راستہ ہے، تم لوگ سات بجے کے قریب پہنچ جاؤ گے۔"

پندرہ منٹ بعد وہ بس میں بیٹھے اعظم گڑھ کی طرف جا
رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے صدر الدین کی ٹھوڑی کے درمیان میں
ایک لوشن لگا دیا تھا ..... اس لوشن نے ٹھوڑی کے درمیانی حصے میں
گڑھا سا پیدا کر دیا اور بائیں جبڑے کے اوپر ایک بڑا سا سیاہ رنگ
کا تل بنا دیا تھا۔ اب اخبار میں شائع ہونے والی تصویر اور اس کے
چہرے میں اتنا فرق پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی آسانی سے نہیں پہچان
سکتا تھا، صدر الدین بالکل خاموش تھا جیسے کسی سوچ میں گم
ہو، انہوں نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہ کی۔

"اس بار ہم نے ذرا غیر جاسوسی کام میں ہاتھ ڈالا ہے۔" فرزانہ
بڑبڑائی

"تو ہم کب کہتے ہیں کہ یہ جاسوسی کام ہے۔" محمود نے
منہ بنایا۔

"لیکن یہ ناممکن نہیں کہ یہ غیر جاسوسی کام ہماری ملاقات کسی جاسوسی
معاملے سے کرا دے، میرا مطلب ہے، ابھی ہمیں ایک دن اعظم آباد
میں گزارنا ہے اور ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ ان چوبیس گھنٹوں
کے دوران کیا کوئی چکر نہیں چل سکتا۔" فاروق نے فکر مند ہو
کر کہا۔

"لو بھئی محمود ..... اس کی تو نکلنے لگی جان۔" فرزانہ نے اس کا
مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"اگر مجھے یہ خیال پہلے آجاتا تو ابا جان کی بتائی ہوئی پہلی ترکیب پر عمل کرنے پر زور دیتا۔" فاروق بولا۔

"تمہارے زور دینے سے کیا ہوتا ہے.... میرا اور فرزانہ کا ووٹ تو اعظم آباد آنے کا تھا۔" محمود نے جواب دیا۔

"بس امی جان اور ابا جان کو ساتھ ملا لیتا۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ تمہارے ساتھ مل جاتے۔" فرزانہ بولی۔

"یقین سے کیا کہا جا سکتا ہے، خیر اب آ ہی گیا ہوں، جو ہو گا دیکھا جائے گا، فی الحال تو مجھے دور دور کوئی چکر چلتا نظر نہیں آ رہا۔" اس نے بس کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا، جہاں درخت گھوم رہے تھے۔

اعظم آباد کے اڈے پر اتر کر انہوں نے نواب فخرالدین کی حویلی کے بارے میں معلوم کیا۔ دیہاتی نے پہلے تو انہیں غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

"نواب فخرالدین...."

"ہاں! ان کے بیٹے کے بارے میں ایک اطلاع لے کر آئے ہیں.... ان کا بیٹا گم ہو گیا ہے نا۔" محمود نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"تم لوگ مجھے پاگل دکھائی دیتے ہو.... ارے باپ رے۔" اس

نے بوکھلا کر کہا اور پھر بھاگ کھڑا ہوا۔

"ارے.... اسے کیا ہوا۔" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"یا اللہ رحم.... کیا کوئی چکر چلنے والا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"محمود اسے پکڑ لینا چاہیے.... پوچھیں تو سہی.... اس نے ہمیں پاگل کس طرح سمجھ لیا۔"

"جانے دو اسے ہم کسی اور سے معلوم کر لیتے ہیں۔"

ایک سمت میں انہیں کچے پکے مکان نظر آ رہے تھے، وہ اس طرف قدم اٹھانے لگے۔ ابھی چند منٹ ہی چلے تھے کہ سامنے سے ایک اور آدمی آتا نظر آیا، نزدیک آنے پر محمود نے اس سے پوچھا:

"نواب فخرالدین کی حویلی کس طرف ہے؟"

"نواب فخرالدین....؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ انہیں عجیب سا احساس ہوا۔

"ہاں ہاں نواب فخرالدین.... کیا وہ اعظم آباد میں نہیں رہتے۔"

"آج بیس سال بعد کسی نے اعظم آباد میں نواب فخرالدین کے بارے میں پوچھا ہے.... یا اللہ رحم...." اس نے خوف زدہ

انداز میں کہا اور ان کے پاس سے نکلتا چلا گیا۔

"یہ کیا چکر ہے بھئی ....." فرزانہ بوکھلا گئی۔

"میرا خیال ہے یہ وہی چکر ہے جس کا ذکر ہم ابھی ابھی کر رہے تھے، یعنی جاسوسی چکر۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"مجھے تو یہ جاسوسی سے زیادہ آسیبی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" محمود بڑبڑایا پھر صدر الدین کی طرف مڑا۔

"کیوں صدر الدین صاحب .... آپ نواب فخر الدین کے ہی بیٹے ہیں نا؟"

"ہاں! آپ لوگوں نے ہی مجھے یہ یاد کرایا تھا۔"

"کیا آپ کو یہ قصبہ جانا پہچانا نظر آتا ہے ....؟"

"ہاں! جانا پہچانا تو لگتا ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کو یاد ہے .... آپ کا گھر کس طرف ہے؟"

"نہیں! ابھی تک مجھے یہ یاد نہیں آسکا۔"

"اچھا خیر .... آگے چلتے ہیں، اس بار ہم سامنے آنے والے کو جانے نہیں دیں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا اور چاروں پھر قدم اٹھانے لگے۔ ان کی حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اسی وقت ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔

دو پہرے

"لو بھئی، تیار ہو جاؤ، اس بار یہ بوڑھا ہمیں کچھ بتائے بغیر نہ نکل جائے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم جلد از جلد اس الجھن سے نجات حاصل کرلینا چاہتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بوڑھے سے بھی کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے۔"

"اس بار میں ذرا مختلف انداز سے بات کروں گا۔" محمود نے کہا۔

"تو پہلے ہی کیوں مختلف انداز سے بات نہیں کی تھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اتنے میں بوڑھا نزدیک آگیا، وہ بھی ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"بڑے میاں .... آپ سے دو ایک باتیں پوچھنی ہیں .... امید ہے، آپ ہماری مدد کریں گے۔"

"دوسروں کی مدد کرنا مسلمان کا کام ہے ..... میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا، پوچھو کیا پوچھنا ہے۔"

"آج سے بیس سال پہلے یہاں ایک نواب صاحب رہتے تھے، ان کا نام نواب فخر الدین تھا، کیا یہ درست ہے۔"

"اوہ.... تو آپ نواب فخر الدین کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں، پھر تو مجھے معاف ہی رکھیے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"آخر کیوں، ایسی کیا بات ہے۔" فرزانہ نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

"مجھ سے کچھ نہ پوچھو.... نواب شاکر الدین کے پاس جاؤ۔" بوڑھے نے کہا اور ان کے پاس سے نکل جانا چاہا، لیکن تینوں نے اسے گھیر لیا۔

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے.... آپ نے ہماری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے.... آپ کو ہمارے سوالات کے جوابات دینے ہوں گے۔"

"نہیں نہیں.... نواب شاکر الدین مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا..... اس کا حکم ہے.... کوئی شخص بھی قصبے میں نواب فخر الدین کے بارے میں کوئی بات نہ کرے..... ورنہ وہ اس سے بہت بری طرح پیش آئے گا.... کیا تم ایک بوڑھے آدمی کو مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتے ہو، اگر ایسا ہے تو میں سب کچھ بتانے کے

لیے تیار ہوں۔"

"نہیں، ہم آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتے.... چلیے صرف اتنا بتا دیں کہ نواب شاکر الدین کس طرف رہتے ہیں۔"

"ناک کی سیدھ میں چلے جائیے..... آپ ان کی حویلی تک پہنچ جائیں گے۔" اس نے کہا۔

تینوں اس کے ارد گرد سے ہٹ گئے، بوڑھا تیز تیز قدم اٹھاتا آگے چلا گیا۔

"یہ معاملہ تو ہر لمحے پر اسرار ہی ہوتا جا رہا ہے.... معلوم ہوتا ہے، نواب شاکر الدین، نواب فخر الدین کے بھائی ہیں.... اب ہمیں ان کے پاس ہی جانا ہو گا۔"

"اگر انہوں نے قصبے کے لوگوں کو کچھ بتانے کی اجازت نہیں دے رکھی تو خود کیا بتائیں گے۔"

"بتائیں یا نہ بتائیں، ہمیں ان سے ملنا تو پڑے گا ہی۔"

"تو پھر آؤ.... جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔" فرزانہ نے کہا اور چاروں پھر آگے چل پڑے۔ اب ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی.... وہ تو ایک سیدھا سادا اور غیر جاسوسی کام انجام دینے اور ایک دن کے لیے اعظم آباد کی سیر کرتے آئے تھے۔

تقریباً دس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد انہیں ایک شاندار حویلی دکھائی دی۔ سڑک کے کنارے سیمنٹ کا ایک کتبہ سا لگا

تھا، اس پر لکھا تھا، یہاں نواب شاکر الدین رہتے ہیں:

"یہ کیسی نیم پلیٹ ہوئی"۔ فاروق کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"شاید اس قصبے میں اسی طرح کی نیم پلیٹیں لگوائی جاتی ہوں"۔ محمود نے کہا پھر وہ دستک دینے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ فرزانہ کی حیرت زدہ آواز سن کر رک گیا۔

"اوہو.... یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں"۔

وہ اس کی طرف مڑے اور اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ نواب شاکر الدین کی حویلی سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک جلی ہوئی عمارت ان کی نظروں کے سامنے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک عرصہ پہلے عمارت جلی تھی.... فرزانہ کے قدم خود بخود اس طرف اٹھنے لگے۔ محمود اور فاروق سے بھی نہ رہا گیا، صدرالدین تو ان کے ساتھ ہی تھا، جس طرف وہ جا رہے تھے، وہ بھی جا رہا تھا۔

نزدیک پہنچ کر انہوں نے دیکھا.... یہ ایک حویلی کے کھنڈرات تھے، کھنڈرات پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اصل عمارت میں آگ لگ گئی تھی، آگ لگنے کے بعد جو کچھ بچایا گیا تھا، وہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، دروازے سے باہر سڑک پر ایک بالکل ویسا ہی کتبہ لگا ہوا تھا جیسا وہ نواب شاکر کی حویلی کے

باہر دیکھ چکے تھے، اس پر گرد کی اتنی موٹی تہہ جم چکی تھی کہ لفظ نظر نہیں آ رہے تھے.... محمود بے اختیارانہ انداز میں کتبے پر جھک گیا اور ہاتھ سے گرد جھاڑنے لگا، لیکن گرد تو بری طرح جم گئی تھی، آخر اس نے جوتے کی ایڑی میں سے اپنا نیا چاقو نکالا.... کیونکہ پرانا تو وادیٔ دہشت میں اس سے لے گیا تھا اور پھر واپس نہیں مل سکا تھا.... یہ چاقو نیا بنوایا گیا تھا۔ اس نے چاقو کی مدد سے جمی ہوئی گرد کو اتارنا شروع کر دیا، آخر چار منٹ کی کوشش کے بعد کتبے کے الفاظ نظر آنے لگے۔ ان پر لکھا تھا:

"یہاں نواب فخرالدین رہتے ہیں"۔

○

انہوں نے حیرت زدہ انداز میں اس تحریر کو دیکھا اور پھر باری باری ایک دوسرے کی طرف دیکھا!

"یہ..... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں"۔ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"خدا جانے ہم کس چکر میں پھنس گئے، کوئی بات سمجھ میں آنے کی صورت ہی نظر نہیں آ رہی.... تاہم اس وقت تک ہم یہ نتیجہ نکالنے کے قابل ہو چکے ہیں کہ آج سے بیس سال پہلے یہاں نواب فخرالدین رہتے تھے، ان کی حویلی میں آگ لگ گئی تھی، پھر کیا ہوا،

یہ ہمیں نہیں معلوم ، ہمارے ساتھ صدر الدین صاحب دراصل کون ہیں.... ان کا نواب فخر الدین سے کیا تعلق ہے .... نواب شاکر الدین کون ہیں.... اخبار میں وہ اشتہار کس نے دیا تھا .... اور کیوں ..... یہ سب سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات ہمیں نہیں معلوم ..... یہ سوالات ہماری پریشانی میں رہ رہ کر اضافہ کر رہے ہیں۔"

"کیوں نہ اس تباہ شدہ حویلی کو اندر سے دیکھا جائے، کچھ تو آثار باقی ہوں گے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"کوئی بوسیدہ چھت یا ستون نہ ہم پر آ گرے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"بیس سال ہو گئے اسے جلے ہوئے .... ابھی تک جوں کی توں کھڑی ہے .... یعنی جلنے کے بعد سے .... تو کیا آج ہی کوئی چھت یا ستون گرے گا۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا تو پھر تم باہر ٹھہرے رہو ، ہم اندر ہو آتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اب یہ بھی نہیں ہو سکتا، گھر پہنچ کر میری بزدلی کا ڈھنڈورا پیٹو گے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"اچھا! ہم وعدہ کرتے ہیں، ڈھنڈورا نہیں پیٹیں گے۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"بس بس .... مجھے بنانے کی کوشش نہ کرو، میں پہلے ہی بنا بنایا ہوں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اچھا خیر.... آؤ تم بھی ، جب کوئی چھت یا ستون گرنے لگے گا ہم تمہیں خبر کر دیں گے۔" محمود مسکرایا..... اور فاروق اسے گھورتا ہوا کھنڈر میں داخل ہو گیا ۔ یہاں اب اونچی نیچی دیواریں کہیں کہیں کھڑی تھیں۔ چند ستون بھی ٹوٹے پھوٹے نظر آئے ..... ورنہ زیادہ تر ملبے کے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں کے درمیان سے ہوتے وہ پورے کھنڈر میں پھرے، حویلی ضرور بہت لمبی چوڑی رہی ہو گی ، ایک جگہ انہیں ملبے کے پیچھے ایک دروازہ نظر آیا ، وہ چند لمحے اس دروازے کو دیکھتے رہے ، پھر محمود نے کہا۔

"اگر ہم اس ملبے کو ہٹا کر دروازے کے دوسری طرف کمرے میں داخل ہو جائیں تو کیا خیال ہے۔"

"بہت نیک خیال ہے .... پھاوڑوں کے بغیر ہم ملبے کو ہٹا بھی لیں گے ، یہ کون سا مسئلہ ہے۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"بھئی تھوڑا سا ملبہ ہٹانے کی ضرورت ہے ....اور یہاں سے چھت کی کڑیاں یا کوئی لکڑی وغیرہ تو مل ہی جائے گی جس کی مدد سے ہم ملبہ ہٹا سکیں گے۔"

"تم ہی کرو ایسی کوشش ....."

"آؤ فرزانہ، کھڑا رہنے سے کچھ کام کر لینا اچھا ہے۔"
محمود اور فرزانہ آگے بڑھے۔ ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد انہیں دو تین نوکیلی لکڑیاں مل گئیں، دونوں نے ان کی مدد سے ملبہ ہٹانا شروع ۔۔۔۔ کیا۔ صدر الدین یہ سب کچھ حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا، اب اس سے رہا نہ گیا،

"آخر یہ کیا ہو رہا ہے، آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں، بیس سال گزرنے کے بعد انہیں ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم ہڈیوں سے بھی سراغ لگا لیں گے" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا ہے ۔۔۔۔ آخر تم کب تک اس ملبے کو ہٹاتے رہو گے۔" فاروق بولا۔

"جب تک کہ ایک آدمی کے اندر جانے کا راستہ نہیں بن جاتا۔"

"اچھا! جب راستہ بن جائے تو مجھے خبر کر دینا، میں صدر الدین صاحب کو لے کر نواب شاکر الدین صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔"

"ارے ارے ۔۔۔۔ تم کام خراب کر دو گے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔ اس عالم میں بھی اس کا لکڑی والا ہاتھ نہیں رکا تھا۔

"ہاں! کام خراب کرنے کے لیے ایک میں ہی تو رہ گیا ہوں۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

محمود اور فرزانہ بہت جلد تھک گئے۔ ایسے کام انہوں نے

کب کیے تھے، تاہم دونوں نے ہاتھ نہیں روکے ۔۔۔۔۔ ان کی تھکن فاروق نے بھی محسوس کر لی، وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور فرزانہ کے ہاتھ سے لکڑی چھینتے ہوئے بولا:

"معلوم ہو گیا، تم کتنے پانی میں ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے ملبے پر لکڑی کی نوک مارنا شروع کیا ۔۔۔۔ محمود اس کا ساتھ دیتا رہا، آخر خدا خدا کر کے ایک آدمی کے اندر جانے کے قابل مٹی ہٹ گئی۔

محمود نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی، خدا کا نام لیا اور اندر گھس گیا:

"خدا حافظ! اندر جا کر اپنی خیریت کا خط لکھ دینا اور اگر اندر فون موجود ہو تو فون کر دینا ۔۔۔۔"

محمود نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، اس کے پیچھے فرزانہ بھی اندر داخل ہو گئی۔

"آؤ بھئی صدر الدین صاحب ۔۔۔۔ اب ہم بھی یہاں کھڑے رہ کر کیا کریں گے ۔۔۔۔ ہم بھی اندر چلتے ہیں، جو ان دونوں کا حال ہو گا، وہی ہمارا ہو جائے گا۔"

اس نے صدر الدین کا ہاتھ پکڑا اور سوراخ میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا، وہ ایک بڑے کمرے میں تھے، یہ کمرہ اور کمرے کی دوسری چیزیں کسی حد تک جلنے سے بچ گئی تھیں۔

محمود اور فرزانہ کی نظریں دیوار پر لگی ایک بڑی سی تصویر پر تھیں، لیکن تصویر کے نقش ونگار قطعاً نظر نہیں آ رہے تھے، یہاں بھی گرد کی تہہ جمی تھیں ۔آخر محمود نے پھر اپنے چاقو سے کام لیا اور جمی گرد کو اتارنے لگا۔ جب گرد اتر گئی تو رومال سے تصویر کے فریم کو صاف کیا گیا۔

انہوں نے دیکھا، یہ ایک بہت بارعب آدمی کی تصویر تھی، اس کے چہرے پر بڑی بڑی خوفناک قسم کی مونچھیں تھیں، آنکھیں اگرچہ چھوٹی تھیں، مگر ان میں ایک خونی چمک تھی۔ سر پر نوابوں والی ٹوپی تھی، اس کا لباس بھی شاہانہ تھا۔ اور پھر ان کی نظریں تصویر کے نقش ونگار پر جم گئیں۔

"تم دیکھ رہے ہو محمود؟" فرزانہ نے کپکپائی آواز میں کہا۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں ..... خدا کے لیے صدر الدین کا میک اپ اتار دو۔" محمود نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے، یہی کرنا ہوگا" فرزانہ بولی۔

"کمال ہے .... آخر تم دونوں کو یکایک ہو کیا گیا ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمیں یہ تصویر ہو گئی ہے ..... اس تصویر کو غور سے

دیکھو" یہ کہہ کر محمود نے پیچھے پلٹ کر صدر الدین کا میک اپ اتار دیا .... اب انہوں نے دیکھا .... تصویر کا چہرہ صدر الدین کے چہرے سے سو فیصد ملتا جلتا تھا....

دوسرے لفظوں میں ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

سونے کا سکہ

"حیرت ہے .... مسٹر صدر الدین تو یہاں بھی موجود ہیں، لیکن یہ حویلی تو آج سے بیس سال پہلے جلی تھی .... اور صدر الدین کی اپنی عمر بیس سال کے لگ بھگ نظر آتی ہے .... پھر یہ کیا چکر ہے؟"

"کیوں جناب صدر الدین .... آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟"

"جی میں .... بھلا میں کیا روشنی ڈالوں گا .... میرے اندر تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں .... یہ نواب فخر الدین کی تصویر ہو .... اشتہار میں یہی تو تھا کہ نواب فخر الدین کا بیٹا صدالدین گم ہو گیا ہے .... تو پھر یہ ضرور فخر الدین کے بیٹے ہی ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو وہ اشتہار کس نے دیا تھا، یہاں تو نواب فخر الدین کے بارے میں کوئی بتاتا ہی نہیں۔"

"عجیب بے تکا کیس ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اب تمہارے بے تک کا کیس کہاں سے ڈھونڈیں، جیسا ملا، حاضر کر دیا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم نواب شاکر الدین سے ملاقات کریں ...... ذرا دیکھیں تو سہی، وہ بھی نواب فخر الدین کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اس سے پہلے ہمیں صدر الدین کا حلیہ ایک بار پھر تبدیل کر دینا چاہیے ..... ایسا نہ ہو کہ یہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں، حالات بہت عجیب و غریب ہیں، بلکہ خطرناک بھی ہیں، سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر اس قصبے میں لوگ نواب فخر الدین کے بارے میں کوئی بات بتاتے ہوئے کیوں ڈرتے ہیں۔ نواب شاکر نے لوگوں کو کیوں منع کر رکھا ہے؟"

یہ کہتے ہوئے محمود نے اس کا میک اپ بحال کر دیا۔

"تو پھر آؤ چلیں۔"

انہوں نے تصویر کو ایک نظر اور غور سے دیکھا، کمرے کے ٹوٹے پھوٹے فرش اور دیواروں کو دیکھا .... لیکن کوئی کام کی چیز نظر نہ آ سکی۔ ابھی وہ مڑے نہیں تھے کہ فرزانہ کو ہلکی سی ایک چمک نظر آئی۔ اس نے چونک کر کہا۔

"اوہو .... یہاں کچھ موجود ہے .... محمود .... ٹارچ کی روشنی اس طرف ڈالو۔"

محمود نے فوراً ٹارچ کی روشنی فرزانہ کی انگلی کی سیدھ میں کی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور پھر جھک کر اپنی انگلی سے مٹی ہٹانے

لگی۔ محمود اور فاروق بھی اس جگہ پر جھک گئے۔

"نہیں کام بن رہا .... محمود اپنا چاقو دو۔"

"آخر تمہیں کیا دفن نظر آ گیا ہے، کیا اب تم مٹی کے نیچے دفن چیزوں کو بھی دیکھنے لگی ہو۔"

"شاید یہی بات ہے۔" فرزانہ نے اُسے جلانے کے لیے کہا۔

"توبہ ہے تم سے .... پہلے تمہارے کان ہی کیا کم تیز تھے کہ اب آنکھیں بھی میدان میں اتر آئی ہیں۔"

محمود نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے چاقو نکال کر فرزانہ کو دے دیا .... اس نے جلدی جلدی چاقو کی مدد سے زمین کھودنا شروع کی۔ آخر وہ چیز انہیں نظر آ گئی، جس کے سرے کی چمک فرزانہ کی آنکھوں میں لہرائی تھی۔ انھوں نے دیکھا .... وہ سونے کی اشرفی تھی .... پرانے زمانے کا سونے کا سکہ۔

انھوں نے حیرت زدہ انداز میں سکے کو دیکھنا شروع کیا، کئی سیکنڈ تک اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے .... پھر محمود نے صدر الدین کو اشرفی دکھاتے ہوئے پوچھا:

"اس قسم کا سکہ پہلے کبھی دیکھا ہے آپ نے۔"

اس نے سکے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

محمود نے سکہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور جیب میں ڈالتے ہوئے بولا:

"اس سکے کا ذکر کسی سے نہ آئے .... آؤ اب چلیں۔"

ابھی وہ مڑے ہی تھے کہ ایک تیز گونجیلی آواز ان کے کانوں میں گھستی چلی گئی:

"یہاں کون ہے اور کیا ہو رہا ہے۔"

انھوں نے چونک کر دیکھا، کمرے سے باہر اس سوراخ پر جو انھوں نے بنایا تھا، تین آدمی بندوقیں لیے کھڑے تھے، ان کے تیور خطرناک تھے اور وہ انہیں بری طرح گھور رہے تھے۔

○

"ہم دارالحکومت سے آئے ہیں، اخبار میں شائع ہونے والا ایک اشتہار ہمیں کھینچ لایا ہے .... لیکن سوال یہ ہے کہ تم کون ہو .... کیا اس جلی ہوئی عمارت کے چوکیدار ہو۔" فرزانہ نے ڈرے بغیر کہا:

"ہاتھ اوپر اٹھا دو، اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم گولی چلا دیں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ پہلے بھی یہی بولا تھا۔

تینوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے، لیکن ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے فرزانہ اپنا کلپ نکال چکی تھی، کیونکہ اسے ان تینوں کے ارادے نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔

"اب بتاؤ! تم کون ہو۔"

"بتا تو چکے ہیں، ایک اشتہار ہمیں یہاں لایا ہے .... اگر ہمارے نام جاننا چاہتے ہو تو ہم بتائے دیتے ہیں، میں فرزانہ ہوں، یہ محمود ہے اور یہ فاروق .... رہے یہ نوجوان .... تو ان کا نام مسٹر صدر ہے۔" فرزانہ نے پورا نام صدر الدین بتانے سے پرہیز کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تم بار بار کس اشتہار کی بات کر رہے ہو....؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"وہ اشتہار نواب فخرالدین کی طرف سے شائع ہوا تھا، اس میں پچیس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔" محمود نے زبان کھولی۔

"کیا بکتے ہو۔" بندوق والا ایسے لہجے میں بولا جیسے محمود کا دماغ خراب ہو۔

"میں بکتا نہیں، کیونکہ بکنے کی مجھے عادت ہی نہیں .... ذرا تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرو، ورنہ ہم بہت بری طرح پیش آنا بھی جانتے ہیں۔" محمود کو غصہ آ گیا۔

"ضرور تم لوگوں کا تعلق کسی پاگل علاقے سے ہے، شاید وہاں سب پاگل ہی پیدا ہوتے ہیں۔" بندوق والا زہریلی ہنسی ہنسا۔

محمود کے ہاتھ میں ابھی تک چاقو موجود تھا، فرزانہ نے

گڑھا کھودنے کے بعد چاقو اسے لوٹا دیا تھا، اس کا جی چاہا، وہ چاقو بندوق والے پر کھینچ مارے اور اسے سبق سکھا دے، لیکن پھر خیال آیا .... کہیں اس طرح کام خراب نہ ہو جائے، ابھی تو انہیں نواب شاکر سے بھی بات کرنا ہے .... چنانچہ اس نے کہا۔

"ہمارے پاس وہ اخبار موجود ہے .... جس میں اشتہار شائع ہوا ہے، اسے دیکھ کر تم ہمیں پاگل قرار نہیں دے سکو گے۔"

"ٹھیک ہے، اخبار دکھاؤ۔"

"سوری! پہلے تم کو یہ بتانا ہو گا کہ تم کون ہو، تمہارا تعلق کس سے ہے۔"

"تم اشتہار دکھاتے ہو یا نہیں۔" اسی بندوق والے نے گرجدار آواز میں کہا، لیکن وہ تینوں بھلا کہاں رعب میں آنے والے تھے۔ محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"ایسے تو نہیں دکھائیں گے۔"

"بلکہ مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا، ویسے بھی نہیں دکھائیں گے۔" فاروق بولا۔ "اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ تم بندوقیں نیچے جھکا لو اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ ہو کون، پھر ہم تمہیں نہ صرف وہ اشتہار دکھا دیں گے، بلکہ ہر وہ چیز دکھا دیں گے جو تم دیکھنے کے خواہش مند ہو، چاہو گے تو دارالحکومت لے جا کر تاریخی مقامات تک دکھا دیں گے۔"

"تم تو کچھ کریک لگتے ہو۔" بندوق والا بولا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم سبھی تمہیں پاگل نظر آ رہے تھے، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"یہ لوگ یوں نہیں مانیں گے، ان کی ٹانگوں پر فائر کرو اور اٹھا کر نواب صاحب کے پاس لے چلو۔" پہلے بندوق والے نے کہا اور تینوں کی بندوقوں نے ان کی ٹانگوں کا نشانہ لے لیا، یہ دیکھ کر فرزانہ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے آن کی آن میں کلپ کی چمک ان تینوں کی آنکھوں میں ڈال دی، بس پھر کیا تھا، چیخیں مارتے ہوئے انھوں نے بندوقیں ہاتھوں سے گرا دیں اور دونوں ہاتھوں سے چمک دباتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے......

"ارے یہ کیا ہوا.... ارے مر گئے.... اف میری آنکھیں..... ہائے.... ان میں آگ سی لگ گئی ہے۔"

جب بھی کسی نے ہماری ٹانگوں پر فائر کرنے کی کوشش کی، اس کی آنکھوں کا یہی حشر ہوا جو تمہاری آنکھوں کا، مطلب یہ کر تمہاری آنکھوں کے ساتھ یہ حادثہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"خدا کے لیے کچھ کرو....."

"ہاں خدا کے لیے تو ضرور کچھ کریں گے، لیکن تھوڑی دیر پہلے

تم ہماری ٹانگوں پر گولیاں کس کے لیے چلانے چلے تھے۔" فاروق ہنسا۔

"اوہو بھائی معاف کر دو، ہم سے غلطی ہو گئی تھی۔" ان میں سے ایک نے گڑگڑا کر کہا۔

"اچھا پہلے یہ بتاؤ، تم کس کے آدمی ہو، ابھی ابھی تم نے کون سے نواب صاحب کا ذکر کیا تھا۔"

"نواب شاکر الدین کا.... ہم انہی کے ملازم ہیں۔"

"بہت خوب! اگر تم فوری طور پر ہمیں ان کے پاس لے جانے کا وعدہ کرو تو ہم تمہاری آنکھیں ابھی ٹھیک کر دیں گے۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، ہم وعدہ کرتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، کسی ایسی جگہ چلو، جہاں پانی موجود ہو۔"

"آؤ.... آؤ.... جلدی کرو۔"

وہ اندھوں کی طرح ہاتھ آگے پھیلاتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑے، کئی بار تو گر بھی پڑے۔ ان کی بندوقیں اب محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہاتھوں میں تھیں، اسی طرح کراہتے ہوئے وہ نواب شاکر کی حویلی تک پہنچے۔ حویلی کے باہر باغیچہ بھی تھا، وہ اس میں گھس گئے..... یہاں پودوں کو پانی دینے کے لیے پانی کا ایک نل موجود تھا۔ نل پر نظر پڑتے ہی محمود نے کہا۔

"اپنی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارو۔"

چھینکیں مارنے کے ساتھ ہی انہیں سکون محسوس ہوا۔ ان کے
چہروں کی رونق لوٹ آئی۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں ان کی طرف
دیکھا اور پھر ایک نے کہا:
"تک .... کیا تم لوگ جادوگر ہو...."
"ہاں! ہمارے پاس نیلا علم ہے.... کبھی تم نے نیلے علم کے
بارے میں سنا ہے" فاروق نے جھک کر کہا۔
"نہیں! کالے علم کے بارے میں ضرور سنا ہے.... لیکن نیلے
علم کے بارے میں آج تمہارے منہ سے پہلی مرتبہ سنا ہے، کیا
ہوتا ہے نیلا علم؟"
"بس نیلا نہیں ہوتا اور ہر طرح کا ہوتا ہے اور کالے علم
سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے.... تم نے اندازہ لگا ہی لیا ہو
گا۔"
"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔"
"اب ہمیں سیدھی طرح نواب شاکر تک لے چلو، ورنہ اس بار
آنکھیں بالکل ہی پھوڑ دیں گے، نیلے علم میں یہ طاقت بھی ہے،
لیکن پھوٹ جانے والی آنکھوں کو نیلا علم بھی دوبارہ درست نہیں
کر سکتا.... اور پانی کی تو مجال کیا ہے کہ کچھ اثر کر جائے۔"
"نہیں نہیں.... تم ایسا نہ کرنا، ہم تمہیں اسی وقت نواب صاحب
کے پاس لے چلتے ہیں.... اگرچہ سورج غروب ہونے کے بعد وہ کسی

سے ملاقات نہیں کرتے۔"
"کیوں.... کیا سورج کی عدم موجودگی میں انہیں ڈر لگنے لگتا ہے
..... یا دکھائی نہیں دیتا۔"
"بس یہ ان کی عادت ہے.... خیر تم آؤ۔"
انہوں نے اپنی بندوقوں کا بھی مطالبہ نہیں کیا.... ان کے آگے
چلتے ہوئے حویلی میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک لمبی چوڑی حویلی تھی
اور بہت شاہانہ قسم کی تھی۔ ایک طویل راہداری طے کرنے کے
بعد ان میں سے ایک نے ایک دروازے کے سامنے رکتے ہوئے
دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔
"کون ہے اس وقت؟" آواز میں حیرت تھی۔
"جناب! یہ آپ کے خادم تنویر، منیر اور رؤف ہیں۔"
"تنویر.... اس وقت کیا کام آ پڑا.... تم جانتے نہیں، اس
وقت ہم اپنے دوست وقار گردیزی سے شطرنج جما لیتے ہیں۔"
"جانتے ہیں سرکار، لیکن ایک عجیب و غریب معاملہ آ پڑا ہے۔"
"اچھا ٹھہرو.... شرفو دروازہ کھول دو۔"
جلد ہی دروازہ کھلا اور وہ چاروں ان تینوں کے پیچھے
اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا.... کمرے کے بیچوں بیچ سرخ
ریشم کی چادر بچھی تھی اور اس کے عین درمیان میں شطرنج کی بساط
بچھی تھی، اس کے دونوں طرف بارعب قسم کے آدمی بیٹھے تھے....

ان کے ہونٹوں میں سگار دبے تھے، ایک آدمی کے ساتھ ایک عورت
بھی بیٹھی تھی۔ اس کا منہ برابر چل رہا تھا، شاید وہ پان کھا رہی
تھی۔ ان سے ذرا فاصلے پر وہ ملازم پھر آ کھڑا ہوا تھا جس نے
دروازہ کھولا تھا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا، چہرے پر سرخ ڈاڑھی
تھی، سر کے بال بھی سرخ تھے۔ ادھر کمرے میں موجود لوگوں نے
آنے والوں کو عجیب وغریب انداز میں دیکھ کر حیرت سے پلکیں
جھپکائیں، پھر وہ آدمی بولا جو عورت کے ساتھ بیٹھا تھا:

"تنویر! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں.... تمہاری بندوقیں دوسروں
کے ہاتھوں میں ہیں، دوسرے بھی ایسے جو کم عمر ہیں.... نہ تمہارے
ہم عمر ہیں نہ ہم پلہ.... پھر تمہاری بندوقیں ان کے ہاتھوں میں
کیوں ہیں، کیا تم نے انہیں تحفتہً دے دی ہیں.... آخر یہ ماجرا
کیا ہے؟" یہ وہی آواز تھی جو انہوں نے دروازے سے باہر
رہ کر سنی تھی، گویا یہ نواب شاکر الدین تھے اور ان کے سامنے
ان کے دوست وقار گردیزی صاحب تھے۔ عورت ضرور نواب صاحب
کی بیگم ہوں گی۔

"حضور! معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔"

"آخر کیسا.... کچھ معلوم بھی تو ہو، آخر تم معموں میں باتیں کیوں
کر رہے ہو؟"

"یہیے! میں صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں۔" تنویر نے کہنا

شروع کیا: "میں منیر اور رؤف کے ساتھ حویلی کے گرد چکر لگانے
نکلا تھا جیسا کہ ہر روز لگاتا ہوں.... میں نے دیکھا جلی ہوئی حویلی
میں کچھ لوگ ادھر ادھر گھوم رہے ہیں، میں دونوں کے ساتھ وہاں
پہنچا اور کافی دیر تک ان لوگوں کی حرکات اور سکنات کا جائزہ
لیتا رہا.... انہوں نے ایک جگہ سے کچھ کھدائی کی اور ایک کمرے
میں گھس گئے.... آخر ہمیں دخل دینا پڑا.... ہم نے انہیں
ہاتھ اوپر اٹھانے کے لیے کہا، پھر نہ جانے ہماری آنکھوں کو
کیا ہوا، ان میں جیسے آگ لگ گئی، بندوقیں ہمارے ہاتھوں سے
گر گئیں.... اور ہم چیخنے چلانے لگے.... ان لوگوں نے کہا کہ پانی
کے پاس چلو، ہم باغیچے میں آئے، انہوں نے چھینٹے مارنے کے لیے
کہا، ہم نے ایسا ہی کیا تو آنکھیں ایک دم ٹھیک ہو گئیں، آنکھیں
ٹھیک کرنے کی انہوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم انہیں آپ کے
سامنے حاضر کر دیں.... حضور ان کا کہنا ہے کہ نیلا علم جانتے ہیں
جیسے کہ کالا علم ہوتا ہے۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"میں سچ عرض کر رہا ہوں حضور.... آپ منیر اور رؤف سے
پوچھ لیں۔" نواب صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔

انہوں نے تصدیق کرنے والے انداز میں سر ہلائے۔

"کون ہو تم لوگ اور کیا چاہتے ہو؟"

"ہم ایک اشتہار کے سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں.... امید ہے، آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے.... اشتہار ایک اخبار میں شائع ہوا ہے۔"

"کیسا اشتہار؟" نواب شاکر کے لہجے میں حیرت تھی، ان کی بیگم اور دوست بھی حیران اور پریشان نظر آ رہے تھے۔

محمود نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اشتہار نکال کر ان کے سامنے کر دیا۔ وہ ایک ساتھ اشتہار پر جھک پڑے ..... اس کے ایک ایک لفظ کو حیرت زدہ انداز میں پڑھنے لگے.... پورا اشتہار پڑھنے کے بعد انہوں نے نظریں اوپر اٹھائیں اور انہیں گھورنے لگے۔

"ہم اس حلیے کا ایک نوجوان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، لہٰذا ہم یہ اشتہار لے کر یہاں چلے آئے۔ نوجوان کو بھی ساتھ لے آئے ہیں.... آپ انہیں دیکھ رہے.... یہی وہ نوجوان ہے ..... ہم نے یہاں آ کر نواب فخر الدین کی حویلی کا پتا جس سے بھی پوچھا، اسی نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا.... ایک کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ اگر نواب شاکر الدین کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ نواب فخر الدین کے بارے میں اس نے کچھ بتایا ہے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح

ہم نے سوچا کہ نواب فخر الدین کی بجائے کیوں نہ آپ کا پتا پوچھا جائے.... چنانچہ ہم یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اسی وقت ہماری نظر اس جلی ہوئی حویلی پر پڑی ..... ہمارے قدم خود بخود اس طرف اٹھنے لگے.... وہاں ہم نے نیم پلیٹ لگی دیکھی، اس پر گرد کو کھرچا تو معلوم ہوا، جلی ہوئی حویلی نواب فخر الدین کی ہے.... ہمارا تجسس بڑھا کہ ان نواب صاحب نے تو اخبار میں اشتہار دیا ہے اور ان کی حویلی نہ جانے کب کی جل کر تباہ ہو چکی ہے..... ہم نے اس کے جو حصے دیکھے جا سکتے تھے، دیکھنے شروع کیے، ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ آپ کے یہ تینوں حضرات بندوقیں لیے پہنچ گئے اور اب ہم آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔" محمود نے تفصیل بیان کر دی۔

"لیکن اس نوجوان کی شکل اس تصویر سے کب ملتی ہے۔" نواب صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی ملائے دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر محمود نے صدر الدین کا میک اپ اتار دیا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں پہلے سے موجود چاروں افراد بری طرح چیخے اور پھر بھوت بھوت کہتے اٹھ کر اندرونی دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوسرے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کر چکے تھے۔ بھاگنے والوں میں شرفو بھی

تھا۔ یہ کافی بوڑھا تھا۔

" یہ کیا ہوا ؟" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

" یہ لوگ انہیں نواب فخر الدین سمجھ رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ جب نواب فخر الدین کی حویلی جلی ہے تو اس میں نواب صاحب بھی جل رہے تھے..... ورنہ یہ انہیں بھوت نہ سمجھتے۔" محمود نے کہا۔

" اوہ !" فاروق اور فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

نواب کا بیٹا

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ تینوں چوکیدار خوفزدہ ہو کر نہیں بھاگے تھے، شاید یہ نئے ملازم تھے اور انہوں نے نواب فخر الدین کو نہیں دیکھ رکھا تھا۔ تاہم فرزانہ نے تصدیق کرنے کے لیے پوچھا۔

" معلوم ہوتا ہے، تم تینوں نئے ملازم ہو۔"

" ہاں ! ہمیں ابھی تین چار سال ہوئے ہیں۔"

" خیر! میں ابھی ان لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود اندرونی دروازے پر پہنچا اور اسے دھپ دھپا کر بولا:

" سنیے نواب صاحب، ہمارے ساتھ جو نوجوان ہے، وہ کوئی بھوت نہیں ہے، وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے، آپ ڈریں نہیں دروازہ کھول کر ہمارے نزدیک آ جائیں، ہم ثابت کر دیں گے کہ یہ بھوت نہیں ہیں..... اگر یہ بھوت ہیں تو بند دروازہ انہیں کس طرح روک سکتا ہے، آپ یہ تو سوچیں۔" اس دوران فاروق

فرزانہ، صدرالدین اور تینوں چوکیدار بھی دروازے تک آگئے۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، اپنے بڑے بھائی فخرالدین کی جلی ہوئی لاش ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی اور پھر اسے دفن بھی اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فخرالدین گوشت پوست کی صورت میں یہاں موجود ہوں۔" اندر سے نواب شاکر کی تھرتھر کانپتی آواز سنائی دی۔

"اشتہار کے الفاظ پر غور کریں، نواب فخرالدین کا بیٹا گم ہوگیا ہے، آخر یہ اشتہار کس نے دیا، کیا نواب فخرالدین صاحب کے کوئی بیٹا بھی تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"جب حویلی جلی تھی، نواب صاحب کی بیوی بھی ان کے ساتھ تھیں، ان کی گود میں ایک سال کا بچہ بھی تھا، لیکن اندر سے کوئی شخص بھی زندہ نہیں نکل سکا تھا.... یہاں تک کہ ان کا ملازم بھی نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔"

"کیا ان سب کی لاشیں مل گئی تھیں؟" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"نواب صاحب کی، ان کی بیوی اور ان کے بچے کی لاشیں بھی مل گئی تھیں۔ ملازم کی لاش البتہ نہیں مل سکی تھی.... خیال یہی ہے کہ اسی ملازم نے آگ لگائی تھی.... کیوں لگائی تھی، یہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا، بہرحال ان حالات میں میرے مرحوم بھائی

کی ہوبہو شکل صورت کا نوجوان کس طرح یہاں موجود ہو سکتا ہے، یہ ضرور بھوت ہے۔"

"لیکن آپ یقین کریں، یہ بھوت نہیں ہیں، اچھا ٹھہریئے..... ہم آپ کے چوکیداروں کو ان کی انگلی سے خون کے چند قطرے ٹپکا کر دکھا دیتے ہیں، ظاہر ہے، بھوتوں میں خون نہیں ہو سکتا.... اگر ان کی انگلی سے خون نکل آیا تو پھر تو آپ یقین کرلیں گے۔" محمود نے نئی ترکیب بتائی۔

"کیوں گردیزی صاحب..... آپ کے خیال میں کیا یہ ترکیب ٹھیک رہے گی؟"

"بالکل بھوتوں میں خون نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے وقار گردیزی کی آواز سنی۔

"ٹھیک ہے، اگر میرے چوکیداروں نے یہ گواہی دے دی کہ نوجوان کی انگلی سے خون نکل آیا ہے تو ہم دروازہ کھول دیں گے اور تم لوگوں سے بات کریں گے۔"

"بہت خوب! ابھی لیجیے۔" یہ کہہ کر محمود نے اپنا چاقو نکالا اور صدرالدین کے دائیں ہاتھ کی انگلی پکڑتے ہوئے بولا۔

"گھبرایئے گا نہیں، چند قطرے نکالوں گا۔"

"اچھا! لیکن میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ لوگ یہ کر کیا رہے ہیں اور یہ ہو کیا رہا ہے، یہ کون لوگ ہیں اور ہیں اسی

وقت کہاں ہوا؟"

"اگر آپ نواب فخرالدین کے بیٹے ہیں تو آج سے بیس سال پہلے آپ کی عمر ایک سال کی تھی، لہذا آپ کو بھلا کیا یاد ہو سکتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"یہ میرے بھائی کا بیٹا نہیں ہو سکتا.... میں نے اس معصوم کی لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا.... اف خدا...... آج بیس سال بعد غیرارادی طور پر ذکر پھر آ گیا.... جب کہ قصبے میں کسی کو بھی یہ ذکر چھیڑنے کی جرأت نہیں۔" اندر سے نواب صاحب کی آواز سنائی دی۔

"خیر.... اس پر ہم بعد میں غور کریں گے، یہ نوجوان دراصل کون ہے۔" یہ کہہ کر محمود نے چاقو کی دھار اس کی انگلی پر پھیر دی، فوراً ہی خون نکل آیا، خون کو دیکھتے ہی چوکیدار ایک ساتھ بول اٹھے:

"خون نکل آیا ہے حضور!"

"اچھا تو پھر ہم بھی دروازہ کھول رہے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا، چاروں افراد باہر نکل آئے، لیکن ان کے چہرے ابھی تک دھواں ہو رہے تھے.... جب سب لوگ اطمینان سے صوفوں پر بیٹھ گئے تو نواب شاکر بولے:

"سب سے پہلے تو تنویر تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کس طرح کہہ

دیا تھا کہ یہ کالا علم کی قسم کی کوئی چیز جانتے ہیں اور تمہاری بندوقیں ان کے ہاتھوں میں کس طرح آ گئی تھیں۔"

تنویر نے جلی ہوئی حویلی میں پیش آنے والا واقعہ تفصیل سے سنا دیا - ان کی حیرت کا کیا پوچھنا - آخر وقار گردیزی نے کہا۔

"آخر تم لوگوں نے ان کی آنکھوں میں کیا ڈال دیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں، آپ ان کی آنکھوں کا طبی معائنہ کرالیں۔"

"لیکن میں کسی کالے علم پر یقین نہیں رکھتا۔" وقار گردیزی بولا۔

"ہم نے کالا علم جاننے کا دعویٰ بھی تو نہیں کیا تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر ہم آپ کے نیلے علم کا کمال پھر دیکھیں گے، پہلے تو اصل معاملے پر بات ہو جائے، پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ لوگ چاہتے کیا ہیں۔"

"اب تو ہم خود حیران ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں.... دیکھیے نا..... اخبار میں ایک اشتہار شائع ہوتا ہے.... کہ نواب فخرالدین کا نوجوان بیٹا گم ہو گیا ہے، وہ کبھی کبھی اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے.... ہمیں اتفاق سے بالکل ویسا ہی نوجوان نظر آ جاتا ہے، چنانچہ پچیس ہزار روپے کا انعام حاصل کرنے کے شوق میں

اسے لے کر ہم یہاں پہنچتے ہیں، لیکن کوئی ہمیں نواب فخر الدین کا
پتا نہیں بتاتا، آخر بڑی مشکل سے ہم یہاں تک آتے ہیں تو آپ
کی حویلی سے کچھ فاصلے پر ایک جلی ہوئی حویلی نظر آتی ہے، اس
حویلی میں ہم ایک بڑی سی تصویر دیکھتے ہیں، اس تصویر میں اور اس
نوجوان کی تصویر میں بال برابر بھی فرق نہیں - یہ جلی ہوئی حویلی نواب
فخر الدین کی ہے .... اب آپ یہ کہتے ہیں کہ نواب فخر الدین اپنے
بیوی بچے کے ساتھ جل کر مر گئے تھے .... اب آپ ہی بتایئے
.... ان حالات میں ہم کیا کریں .... کیا کر سکتے ہیں، کیا کہہ سکتے
ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" محمود بے چارگی کے عالم میں کہتا چلا گیا

"واقعی حالات عجیب و غریب ہیں، میرے بھائی نواب فخر الدین
کو مرے ہوئے تو بیس سال ہو گئے ہیں، پھر کیا انہوں نے
اپنے بیٹے کی گم شدگی کا اشتہار دوسری دنیا سے آ کر شائع کرایا
ہے .... دوسرے یہ کہ ان کا بیٹا بھی تو آگ میں جل مرا تھا، پھر
اس کی گم شدگی کے اشتہار کا کیا مطلب ...."

"کوئی نہ کوئی تو ایسا ہے جس نے وہ اشتہار دیا ہے .... اور
اس کا اس حرکت سے کوئی خاص مطلب بھی ہے .... ورنہ اسے
ایسا کرنے کی ضرورت کیا تھی .... کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیے
یہ ضروری ہے کہ آپ ہمیں ذرا تفصیل سے بتائیں کہ بیس سال
پہلے کیا ہوا تھا، آگ کیسے لگی تھی .... اور ہاں .... اس سے بھی

پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اشتہار میں نواب صاحب کے بیٹے کا نام
صدر الدین شائع ہوا ہے - کیا انہوں نے اپنے بیٹے کا نام صدر الدین
ہی رکھا تھا۔"

"ہاں! بالکل یہی نام رکھا گیا تھا۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ جو نوجوان ہیں، ان کا نام بھی صدر الدین
ہی ہے۔"

"اوہ!" کمرے میں موجود سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○

چند لمحے کی کوشش کے بعد نواب صاحب سوچ میں گم
بجے میں بولے:

"ٹھیک ہے .... میں آپ لوگوں کو تفصیل سے سناتا ہوں ...
لیکن نہیں ہیں آپ لوگوں کو کیوں بتاؤں .... آپ ہیں کون ....
میرا اشتہار سے کوئی تعلق نہیں .... نہ یہ میں نے دیا ہے ......
یہ اشتہار نواب فخر الدین کی طرف سے دیا گیا ہے، لہذا جائیے
.... ان کی روح سے معلوم کیجیے .... کہ اشتہار کس نے شائع
کرایا ہے۔"

"کیا آپ کے مرحوم بھائی نے عالم ارواح میں ٹیلیفون لگوا
رکھا ہے .... اگر ایسا ہے تو ان کا نمبر نوٹ کرا دیں۔" فاروق

نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ عجیب ہیں.... میں نے یہ کہا ہے کہ آخر میں آپ لوگوں کو کیوں بتاؤں....؟" نواب شاکر جھلّا اٹھے۔

"اس موقعے پر ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ کو اپنے بارے میں بتا دیں، بات دراصل یہ ہے جناب، اگر آپ اپنے بھائی کے نام پر دیے گئے اشتہار کا راز جاننا چاہتے ہیں تو آپ کو ہمیں سارے واقعات تفصیل سے بتانے ہوں گے.... کیونکہ ہم جاسوسی قسم کے لوگ ہیں"۔ فرزانہ نے تنگ آکر کہا۔

"ذرا نہیں.... پورے" فاروق بولا۔

"خیر.... سنیے.... میں بتاتا ہوں.... آج سے بیس سال پہلے وہ حویلی بھی اتنی ہی شاندار تھی جیسے آپ ابھی ابھی دیکھ کر آئے ہیں..... اور چھ ماہ پہلے ہی میرے بھائی کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا تھا.... انہوں نے اس کا نام صدر الدین رکھا ..... ان کے پاس اس وقت صرف ایک ملازم کام کرتا تھا۔ اس کا نام اکبر بیگ تھا.... وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ ان کے گھر کا سارا کام کرتا تھا.... بھائی صاحب ذرا کفایت شعار قسم کے آدمی تھے، ایک سے زائد ملازم رکھنا انہیں پسند نہیں تھا۔ اس لیے پوری حویلی میں اکبر بیگ ہی کام کرتا تھا۔ دن

ہنسی خوشی گزر رہے تھے، مجھے اپنے بڑے بھائی سے بہت محبت تھی اور انہیں مجھ سے، میں اکثر ان کی حویلی میں جاتا اور بہت دیر تک بچے کے ساتھ کھیلتا رہتا.... میں اپنے بھائی سے کافی کم عمر تھا.... اور اس وقت تک میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی، تاہم ہم الگ الگ حویلی میں ہی رہتے تھے۔ بڑے نواب صاحب ہمیں اپنی زندگی میں ہی الگ الگ کر گئے تھے، انہوں نے ہمارے لیے دو الگ الگ حویلیاں بھی بنوا دی تھیں، اس خیال سے کہ کہیں ہم آپس میں لڑنا بھڑنا نہ شروع کر دیں، چونکہ ہم صرف دو ہی بھائی تھے، اس لیے تمام جائداد بھی انہوں نے برابر تقسیم کر دی ..... تھی..... یہ بڑے نواب صاحب کا خیال تھا کہ کہیں ہم میں ناچاقی نہ ہو جائے، لیکن ہم آپس میں اس قدر محبت کرتے تھے کہ شاید ہی دو بھائیوں نے ایک دوسرے سے کبھی کی ہوگی اور ہمارا خیال تھا کہ اگر بڑے نواب صاحب کی وصیت نہ ہوتی تو ہم ضرور ساتھ ہی رہتے.... خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے کہ ایک رات اچانک بھائی صاحب کی حویلی میں آگ بھڑک اٹھی.... اس روز میں نہ دن میں ان کے ہاں جا سکا تھا نہ رات کو .....بلکہ اس سے ایک دن پہلے بھی نہیں جا سکا تھا.... اپنی زمینوں کے سلسلے میں مصروف تھا.... آگ جو بھڑکی تو قصبے میں شور مچ گیا،

لوگ حویلی کی طرف پانی کی بالٹیاں اٹھا اٹھا کر دوڑ پڑے، لیکن وقت رات کا تھا اور جس وقت لوگوں کو پتا چلا، حویلی آگ میں پوری طرح گھر چکی تھی۔ بڑی مشکل سے جب آگ پر قابو پایا گیا تو سب کچھ جل چکا تھا، ملبے میں سے بھائی صاحب، بھابی اور ان کے بچے کی جلی ہوئی لاشیں تو مل گئیں، لیکن اکبر بیگ کی لاش نہ مل سکی.... جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ آگ دراصل اکبر بیگ نے لگائی تھی.... کیوں لگائی تھی، یہ آج تک کوئی نہ جان سکا، تاہم میرا خیال ہے کہ وہ نقدی اور سونے کے زیورات لے بھاگا ہے..... کیونکہ نقدی اور سونے کے زیورات کوشش کے باوجود ملبے میں سے نہ مل سکے.... بھائی صاحب نے ان کے لیے کوئی باقاعدہ تجوری نہیں رکھی ہوئی تھی، بس اپنے کمرے کی الماری میں رکھ لیا کرتے تھے.... اس الماری کے دروازے بھی جلے ہوئے ملے تھے..... اور اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ پولیس کی تفتیش کے بعد بھی یہی نتیجہ نکالا گیا کہ یہ کام اکبر بیگ کا ہے، لیکن اس کے باوجود قصبے کے بہت سے لوگ مجھے شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ یہ سارا کیا دھرا میرا ہے، آگ میں نے ہی لگوائی ہے اور ملازم اکبر بیگ کو یا تو موت کے گھاٹ اتار کر کہیں دفن کر دیا گیا ہے یا اس کی لاش بھی کہیں ملبے کے نیچے دب گئی جو مل نہیں سکی، جن لوگوں کا یہ خیال تھا،

وہ قصبے میں باتیں بنانے لگے، کھسر پھسر کرنے لگے۔ ایک تو بھائی کے پورے گھر کی اچانک موت نے مجھ پر غم کا پہاڑ توڑا تھا، دوسرے یہ عجیب وغریب باتیں سننا پڑیں، ایسے میں ایک شخص نے کچھ لوگوں کے سامنے مجھ پر بھائی کو جلا دینے کا الزام لگا دیا.... بس پھر کیا تھا، میں تو گویا پاگل ہو گیا، میں نے اس پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیا، مقدمے میں پولیس کی رپورٹ پیش کی گئی، فیصلہ ظاہر ہے، میرے حق میں ہونا تھا، اس شخص کو ہرجانہ ادا کرنا پڑا، اس کے بعد میں نے قصبے میں اعلان کروا دیا کہ جس کسی نے بھی منہ سے میرے بھائی کے بارے میں ایک لفظ بھی نکالا، اس کا انجام بہت بھیانک ہو گا..... لوگوں نے اس شخص کا انجام دیکھ کر اپنے منہ سی لیے، کیونکہ اس نے اپنا سب کچھ بیچ کر ہرجانہ ادا کیا تھا..... اور کنگال ہو کر رہ گیا تھا.... یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ بھائی صاحب کے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔"

یہاں تک کہہ کر نواب شاکر الدین خاموش ہو گئے، تینوں تھوڑی دیر تک سوچ میں گم بیٹھے رہے، پھر فرزانہ نے پوچھا:

"اس شخص کا نام کیا ہے، جس پر آپ نے مقد[مہ]
کیا تھا۔"

"احسان طاہر..... وہ اب بھی قصبے میں رہتا ہے، محنت
مزدوری کرتا ہے۔"

"آپ کے خیال میں آپ کے بڑے بھائی نواب فخرالدین
مرحوم کی کوئی اور چیز تو چوری نہیں ہوئی تھی۔" محمود نے
سوال کیا۔

"نقدی اور زیورات کے علاوہ اور اکبر بیگ کیا چیز
لے جا سکتا تھا۔" نواب شاکر نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"کیا ان کے پاس سونے کی اشرفیاں بھی تھیں۔" فاروق نے اچانک کہا۔

"کیا!!!"

نواب صاحب زور سے اچھلے۔ ان کا چہرہ ایک دم سفید پڑ
گیا۔ وہ ان تینوں کو اس طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے جیسے
وہ اس دنیا کی نہیں، کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔

کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا.... نواب صاحب کی
بیگم، ان کے دوست وقار گردیزی اور ملازم شرفو کا بھی حیرت سے برا
حال تھا، لیکن انہیں حیرت اشرفیوں کے ذکر پر نہیں، بلکہ نواب صاحب کی
سفید رنگت دیکھ کر ہو رہی تھی۔

خطرے کی گھنٹیاں

چند سکینڈ اسی عالم میں گزر گئے۔ آخر نواب شاکر الدین
نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے سرسراہٹ زدہ آواز میں کہا:

"تم لوگ کون ہو؟" ان کا یہ سوال بھی عجیب تھا، سونے کی
اشرفیوں کے بارے میں کوئی سوال کرنے کی بجائے وہ ان کے
بارے میں پوچھ رہے تھے۔

"ہم..... ہم اپنے نام بتا چکے ہیں اور یہ بھی کہ یہاں کس طرح
پہنچے، اخبار میں شائع ہونے والا اشتہار بھی دکھا چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن تم لوگوں نے اشرفیوں کا ذکر کس طرح
کر دیا۔"

"تو کیا اشرفیوں کا واقعی کوئی چکر ہے؟" فاروق نے پرجوش
لہجے میں کہا۔

"بڑے نواب صاحب کے پاس پانچ ہزار سونے کی اشرفیاں
تھیں..... انہوں نے اڑھائی اڑھائی ہزار ہم دونوں کو دے دیں، جب
آگ لگی اور ملبے کو کریدا گیا تو اشرفیاں کہیں نہیں ملیں..... اس سے

یہی اندازہ لگایا گیا کہ اشرفیاں بھی اکبر بیگ لے گیا ہو گا۔ پولیس
نے اسے بہت تلاش کیا ، لیکن وہ کہیں نہ ملا۔" نواب شاکر
نے کہا۔

"اگر بات صرف اتنی ہی ہے تو پھر آپ اشرفیوں کے ذکر
پر خوف زدہ کیوں ہو گئے تھے؟"

"یہ اشرفیاں منحوس ہیں ، ان کی خاطر ہمارے خاندان میں ہمیشہ
کوئی نہ کوئی آدمی جان سے مارا جاتا رہا ہے ، بڑے نواب صاحب
نے ہمیں اشرفی سونپتے وقت یہ نصیحت کی تھی کہ انہیں سونے میں
ڈھال لیا جائے یا فروخت کر دیا جائے ، مگر ہم دونوں بھائیوں نے
نحوست کی بات کو صرف ایک خیال سمجھا اور انہیں اپنے پاس
رکھا..... نتیجہ جو کچھ ہوا ، وہ جلی ہوئی حویلی کی صورت میں آج
بھی ظاہر ہے۔"

"تو کیا آپ نے اپنی اشرفیاں فروخت کر دی تھیں؟" فرزانہ
نے پوچھا۔

"نہیں ! میری اشرفیاں آج بھی میرے پاس ہیں۔" انہوں
نے کہا۔

"ہوں ! ہم اب چونکہ یہاں تک آگئے ہیں ، اس لیے اس
معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے..... کیونکہ اس نوجوان
کا بھی تو مسئلہ حل کرنا ہے..... نواب فخر الدین کا ایک سال کا بچہ

جل مرا تھا ، پھر یہ کون ہے..... یہ اچانک اشتہار کس نے دے
دیا..... اس نوجوان کی شکل ہو بہو نواب فخر الدین سے کیوں
ملتی ہے..... یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کے جوابات ہمیں حاصل
کرنے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اکبر بیگ کو بھی تلاش
کرنا ہے۔" محمود رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"لیکن..... ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فرزانہ نے سوچ
میں گم لہجے میں کہا۔

"کونسی بات؟" نواب شاکر نے اسے گھورا۔

"یہ کہ آپ کے ساتھ یہ تینوں افراد اس نوجوان کو دیکھ کر
بھوت بھوت کیوں چلائے ، آپ کے ساتھ دوسرے کمرے میں کیوں چلے گئے
جب کہ انہوں نے نواب فخر الدین کو نہیں دیکھا ہو گا۔"

"وقار گردیزی تو بھائی صاحب کے دوست بھی رہے ہیں ، ان کا
ان کی حویلی میں روز کا آنا جانا تھا ، رہ گئی بیگم اور شرفو..... تو
انہوں نے میرے ساتھ جلی ہوئی حویلی میں جا کر بھائی صاحب کی
تصویر دیکھی تھی....."

"معاملہ بہت ہی سنسنی خیز اور پراسرار ہے..... لیکن سوال یہ ہے
کہ آپ تینوں اس معاملے کا کھوج کس طرح لگا لیں گے جب کہ
یہ بیس سال پرانا واقعہ ہے اور اس وقت پولیس اکبر بیگ کا کھوج
نہیں لگا سکی تھی۔" وقار گردیزی نے زبان کھولی۔

ابھی وہ دقار گردیزی کی بات کا جواب نہیں دے پائے تھے
کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ جلد ہی فیضو اندر داخل ہوا اور
بولا:

"سرکار..... انسپکٹر عارف اصفہانی آئے ہیں۔"

"اوہ..... بہت خوب..... وہ بہت اچھے موقعے پر آئے ہیں
اب ہم یہ معاملہ ان کے سامنے رکھیں گے..... بیس سال پہلے
ان کے والد ہی بھائی صاحب کے کیس کے انچارج تھے۔" نواب
شاکر نے خوش ہو کر کہا اور فیضو کو اشارہ کیا کہ انسپکٹر عارف
کو بلا لائے۔ فیضو چلا گیا۔

اب کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی..... آخر قدموں کی
آواز گونجی، پھر ایک لمبے قد کا سانولی سی رنگت کا آدمی مسکراتا ہوا
اندر داخل ہوا، لیکن اس کی نظر صدر الدین کے چہرے پر پڑی تو وہ
بوکھلا اٹھا..... اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"یہ..... یہ..... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ بہت اچھے وقت پر آئے انسپکٹر صاحب..... تشریف رکھیے
ابھی سب کچھ آپ کو تفصیل سے سنا دیتے ہیں۔" نواب شاکر نے
کہا۔ انسپکٹر عارف حیرت زدہ سا بیٹھ گیا، پھر نواب صاحب
اسے پوری تفصیل کہہ سنائی۔ ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر عارف
کی نظر ان چاروں پر باری باری پڑنے لگی۔

اور پھر اچانک اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ظاہر ہو
گئے۔ اس نے کپکپاہٹ زدہ آواز میں کہا:

"کک..... کیا..... کیا..... آپ تینوں وہ ہیں۔"

اس کا جملہ نواب صاحب اور کمرے میں موجود دوسرے
افراد نے حیران ہو کر سنا۔ اسی وقت فاروق نے کہا۔

"خدا نخواستہ ہم وہ کیوں ہونے لگے۔"

"میرا مطلب تھا..... کیا آپ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"ہم اپنے یہ نام پہلے ہی بتا چکے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن ساتھ میں آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ انسپکٹر جمشید
کے بچے ہیں۔" انسپکٹر عارف نے عجیب سی آواز میں کہا۔

"اوہو..... یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

"انسپکٹر صاحب..... آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" محمود نے
مسکرا کر کہا۔

ان سب کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل اٹھے۔
نواب شاکر تو ٹکٹکی باندھ کر انہیں کتنی ہی دیر دیکھتے رہے،
آخر بولے:

"آپ لوگ میرے مہمان ہیں۔ جب تک جی چاہے یہاں رہیے،
اس قصبے کی سیر کیجیے..... اس دوران اگر اس معاملے کے سر پیر
کا پتا چل جائے تو اور بھی اچھی بات ہے۔ شاید بیس سال بعد

مجرم کے گرفتار ہونے کا وقت آگیا ہے ..... لیکن مجھے تو اکبر بیگ
دور دور تک نظر نہیں آتا۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم معلوم کرنے کی کوشش کریں گے لیکن
دعویٰ نہیں کرتے کہ معلوم کر ہی لیں گے، کیونکہ بیس سال پرانی
بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں! دیکھا جائے گا .... اب ہم لوگ رات کا
کھانا کھائیں گے .... اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں
میں آرام کریں گے .... آپ لوگوں کے لیے دو کمرے کافی ہوں گے"

"جی ہاں! بہت .... بلکہ ہم تو ایک کمرے میں رات بسر کرنا
پسند کرتے گے .... خیر دوسرا کمرہ صدر الدین کے لیے سہی۔" محمود
نے کہا۔

"اس کے ساتھ ہی ہم ایک اجازت چاہیں گے۔" فرزانہ نے
کچھ سوچ کر کہا۔

"اجازت .... ضرور بتائیے۔" نواب شاکر بولا۔

"ہم اس گھر کے کسی بھی فرد یا ملازم سے جس قسم کے چاہیں
سوالات کریں گے .... اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!"

کھانے کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں

میں چلے گئے، تو تینوں نے شرفو کے کوارٹر کا رخ کیا۔ ملازموں کے
لیے کوارٹر حویلی کے پچھلے حصے میں بنے تھے، دروازے کے نزدیک
پہنچ کر پہلے تو انہوں نے کان لگا کر سن گن لینے کی کوشش کی،
کوئی آواز سنائی نہ دی تو محمود نے انگلی سے دروازے پر دستک
دی، فوراً ہی دروازہ کھلا اور انہیں شرفو کا بوڑھا چہرہ دکھائی
دیا۔ اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور پھر انہیں اندر داخل
ہونے کے لیے راستہ دے دیا۔

کمرے میں حقے کا دھواں بھرا تھا۔ حقہ چارپائی کے
ساتھ فرش پر رکھا تھا، کمرے میں دوسرا سارا سامان بھی پرانی
طرز کا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ حقے کے بہت شوقین ہیں۔" محمود نے
چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس جی تنہائی کا یہی ایک ساتھی ہے۔" اس نے چارپائی پر
بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے وہ تینوں دیوار کے ساتھ بچھی ٹوٹی
پھوٹی کرسیوں پر ٹک چکے تھے۔

"لیکن یہ چیز تو آپ کے پھیپھڑوں کو خراب کر دے گی۔" فرزانہ
بولی۔

"اب تو خراب ہو بھی چکے .... اور کیا کرے گا یہ حقہ۔"

"گویا یہ حویلی اور حویلی کا یہ کوارٹر ہی آپ کی دنیا ہے۔"

آپ کبھی یہاں سے باہر نہیں جاتے۔"

"نہیں تو ..... یہ میں نے کب کہا ..... میں دارالحکومت جاتا رہتا ہوں، مہینے میں ایک دو بار تو جانا ہی پڑتا ہے، وہاں میرا بیٹا رہتا ہے، ابھی پڑھ رہا ہے کالج میں۔" اس نے بتایا۔

"اور آپ کی بیوی۔"

"اسے فوت ہوئے تو تقریباً دس سال ہو چکے ہیں۔"

"تو کیا پہلے آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں رہتی تھیں۔" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، وہ ہمیشہ شہر میں ہی رہی ..... دس سال پہلے میں یہاں آکر ملازم ہوا تھا ..... یعنی اس کے مرنے کے بعد۔"

"آپ نے جب ہمارے ساتھی نوجوان صدرالدین کو اصل صورت میں دیکھا تو نواب صاحب، ان کی بیوی اور دوست کے ساتھ آپ کیوں بھوت بھوت چلاتے بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اس کی وجہ نواب صاحب بتا چکے ہیں ..... ہم جلی ہوئی حویلی میں نواب فخرالدین صاحب کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔"

"تو کیا آپ واقعی ڈر گئے تھے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" بوڑھا چونک اٹھا۔

"میرا خیال ہے، آپ صرف نواب صاحب کا ساتھ دینے کے لیے ڈرے تھے، سچ مچ آپ کو صدرالدین سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔" فاروق نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"نن ..... نہیں تو ..... میں ..... میں تو سچ مچ ڈر گیا تھا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"خیر مان لیتے ہیں کہ آپ سچ مچ ڈر گئے تھے، ویسے میرا دل نہیں مانتا، کیونکہ جب آپ لوگ بھوت بھوت چلاتے دوسرے کمرے کی طرف بھاگ رہے تھے تو میں نے اتفاق سے آپ کے چہرے کی طرف دیکھ لیا تھا، وہاں خوف کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔"

"شاید آپ سے غلطی ہوئی ہے ..... بھلا بھاگتے ہوئے آپ میرا چہرہ کس طرح دیکھ سکتے تھے ..... ہمارے منہ تو دروازے کی طرف تھے ..... اور آپ لوگوں کی طرف ہماری کمریں تھیں۔" شرفو نے سنبھل کر کہا۔

"ہاں! بات تو یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن پہلی مرتبہ جب آپ لوگوں نے صدرالدین کی اصل شکل دیکھی، اس وقت تو آپ لوگوں کے چہرے ہماری طرف ہی تھے اور آپ لوگ جب بھوت بھوت

چلائے تھے، اس وقت بھی آپ کے چہرے ہماری طرف تھے اور
میں نے اس وقت نواب صاحب.... وقار گردیزی صاحب اور
نواب صاحب کی بیگم کے چہروں پر خوف کا جو عالم دیکھا تھا،
وہ آپ کے چہرے پر نظر نہیں آیا تھا۔"

"آپ کو ضرور وہم ہوا ہے..... اور اگر میں سچ مچ خوف زدہ نہیں
تھا، تو بھی اس سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے۔" شرفو نے تنگ آ
کر کہا۔

"فرق پڑتا ہے یا نہیں پڑتا.... میں آپ کی زبان سے یہ سننا
چاہتا ہوں کہ آپ واقعی خوف زدہ نہیں تھے۔" فاروق کے لہجے میں
تیزی آ گئی، اس کی آنکھیں شرفو کی آنکھوں میں گڑ گئیں.... محمود
اور فرزانہ تے فاروق کو حیران ہو کر دیکھا، پہلے تو وہ یہی
سمجھے تھے کہ فاروق بلاوجہ ہی یہ سوالات کر رہا ہے، لیکن اب انہوں
نے محسوس کیا، فاروق حد درجے سنجیدہ ہے۔

"میں..... میں خوف زدہ ہو گیا تھا۔" شرفو نے کہا۔

"اچھا خیر..... شہر میں آپ کا بیٹا کہاں رہتا ہے، پتا بتایئے۔"

اس نے پتا بتا دیا جسے محمود نے فوراً اپنی نوٹ بک
میں درج کر لیا۔ اس کے بعد وہ شرفو سے رخصت ہوئے، باہر
نکلتے ہی محمود نے دبی آواز میں کہا:

"یار فاروق اس مرتبہ تو تم.... میرے کان کاٹ گئے۔"

"ارے! نہیں تو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"سوال یہ ہے کہ شرفو کو جھوٹ موٹ خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت
تھی۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"کوئی تو ضرورت ہو گی۔"

"مجھے تو یہ آدمی مشکوک نظر آتا ہے، کیوں نہ ہم اس کی عدم
موجودگی میں اس کے کوارٹر کی تلاشی لیں۔" فرزانہ بولی۔

"یہ پروگرام مناسب رہے گا۔"

"تو پھر آؤ.... ذرا پہلے وقار گردیزی سے مل لیں۔"

وقار گردیزی بھی آج یہیں رک گیا تھا..... اس نے مسکرا
کر ان کا استقبال کیا...

"ہم آپ سے کچھ سوالات کرنے آئے ہیں۔" محمود نے بیٹھتے
ہوئے کہا۔

"اوہو، آپ نے اسی وقت تفتیش شروع کر دی، میرا خیال
تھا، آپ رات کے وقت آرام کریں گے۔" اس کے لہجے میں
حیرت تھی۔

"ایک بار جب ہم کسی کیس پر کام شروع کر دیتے ہیں تو
پھر دن اور رات نہیں دیکھتے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"بلکہ آندھی اور طوفان بھی نہیں دیکھتے، بارش بھی نہیں دیکھتے،
آپ یہ خیال نہ فرمالیں کہ ہماری نظر کمزور ہے..... بس ہم جان

بوجھ کر وقت اور موسم کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"خیر..... پوچھیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ جب کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تعلق نہ سہی ..... بیس سال پہلے آپ کا نواب فخرالدین کی حویلی میں آنا جانا تو تھا اور وہ آپ کے دوست تو تھے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"نواب صاحب کیسے آدمی تھے؟" محمود نے پہلا سوال کیا۔

"بہت اچھے..... بہت ملنسار..... سب پر مہربان، غریبوں کے ہمدرد..... انھوں نے اپنی دولت کبھی کسی سے چھپا کر نہیں رکھی... سب کے سامنے کہہ دیا کرتے تھے..... خدا کا دیا میرے پاس یہ ہے، وہ ہے..... یہ سب کچھ اسی کا ہے، وہ جس وقت چاہے چھین بھی سکتا ہے..... لوگوں کی دعوت کرکے خوش ہوتے تھے۔" یہ کہتے کہتے وقار گردیزی نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا..... شاید انھیں اپنا دوست یاد آگیا، ان کا دل بھر آیا تھا اور جب دل بھر آتا ہے تو آنکھوں میں آنسو آ ہی جایا کرتے ہیں۔ انھوں نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا تو آنکھیں واقعی ڈبڈبا آئی تھیں۔ فرزانہ نے ان آنسوؤں کو دیکھ کر دل میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کی۔

"آپ ان کے ہاں ہر روز جاتے تھے؟" یہ سوال فرزانہ نے کیا۔

"تقریباً ہر روز..... کسی روز نہیں بھی جانا ہوتا تھا، نواب فخرالدین بھی شطرنج کے بہت شوقین تھے۔ بس شطرنج کی بازی لگتی تھی، اس لیے جانا ہی پڑتا تھا۔" وقار گردیزی نے بتایا۔

"ہوں..... جس روز حویلی میں آگ لگی..... آپ اس رات بھی گئے تھے؟"

"جی نہیں! میں اس رات نہیں جا سکا تھا۔"

"انھوں نے اپنی اشرفیوں کا ذکر آپ سے بھی اکثر کیا ہو گا۔"

"ہاں! یہ تو کوئی چھپی ہوئی بات تھی ہی نہیں۔"

"نواب شاکر بھی وہاں ہر روز آتے جاتے تھے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں ان کا چکر ہفتے میں تقریباً ایک بار لگتا تھا۔"

"آپ یہاں کہاں رہتے ہیں؟"

"تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر میرا مکان ہے..... یہ میرا آبائی مکان ہے۔"

"آپ کے بیوی بچے بھی ہیں؟"

"جی ہاں..... بیوی اور دو لڑکے ہیں، دونوں لڑکے شہر میں

ملازم ہیں۔"

"آپ خود کیا کاروبار کرتے ہیں؟"

"میرے پاس زمین ہے..... زرخیز زمین، اس سے کافی آمدنی ہو جاتی ہے۔"

"اب میں آپ سے ایک سوال براہ راست کروں گا....." محمود نے عجیب سے انداز میں کہا، چند سیکنڈ کے لیے رکا اور پھر بولا:

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ نواب فخرالدین کی حویلی میں آگ نواب شاکر نے لگائی ہو تاکہ ان کے حصے کی اشرفیاں بھی ان کے قبضے میں آجائیں۔"

"ارے نہیں، نواب شاکر کو تو اپنے بڑے بھائی سے دیوانگی کی حد تک پیار تھا۔" وقار گردیزی ہنسا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ بھی اکبر بیگ کو ہی مجرم خیال کرتے ہیں۔"

"اس کے سوا مجرم ہو بھی کون سکتا ہے..... آخر وہ کیوں غائب ہو گیا، اگر حویلی اس نے نہیں جلائی تھی تو اسے کہیں چھپنے کی ضرورت کیا تھی۔"

"ہو سکتا ہے، وہ بھی جل مرا ہو اور اس کی لاش نہ مل سکی ہو۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"ملبے کو اچھی طرح دیکھا گیا تھا..... لیکن اکبر بیگ کا کوئی سراغ

نہیں ملا تھا۔"

"اور کیا یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آگ خود بخود لگی ہو۔"

"اگر آگ خود بخود لگتی تو بھی اکبر بیگ کو غائب ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ حیرت انگیز اور خوفناک بات جو پولیس کے ریکارڈ پر موجود ہے، وہ یہ ہے کہ تمام دروازے اندر سے بند ملے تھے۔ یعنی نواب فخرالدین کے کمرے کا دروازہ بھی باہر سے بند پایا گیا، اسی طرح دوسرے کمرے بھی..... ان حالات میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ آگ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی اور آگ لگانے والا یہ چاہتا تھا کہ حویلی کا ایک بھی فرد زندہ نہ بچنے پائے..... یہاں تک کہ خود اکبر بیگ کے کوارٹر کا دروازہ بھی باہر سے بند ملا تھا، لیکن اس کی بائیں دیوار گری ملی تھی..... گویا اس نے اس طرف سے نکل کر پہلے آگ لگائی اور پھر بھاگ کھڑا ہوا۔"

"یہ کیا بات ہوئی جناب!" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب؟" وقار گردیزی نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ اگر آگ اکبر بیگ نے لگائی تھی تو اسے اپنے کمرے کی دیوار گرانے کی کیا ضرورت تھی، ظاہر ہے، اس نے پہلے دیوار توڑی ہو گی، پھر باہر نکل کر دروازہ بند کیا ہو گا اور اس کے بعد آگ لگائی ہو گی، آخر اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی، جب کہ وہ اپنے کمرے کے دروازے سے نکل کر آگ لگا کر بھی غائب

ہو سکتا تھا، شک تو اس پر اس صورت میں بھی کیا گیا۔"

"بات تو معقول ہے۔" محمود نے فاروق کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔

"اب میں کیا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔"

"خیر جناب..... بہت بہت شکریہ۔"

محمود نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا، فاروق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"بھئی فرزانہ! اس بار تو فاروق ہمارے کاٹ رہا ہے۔" محمود نے باہر نکل کر کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فاروق کن کترا ہے۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"کن کتری ہو گی خود تم۔" فاروق جل کر بولا۔

"اب ہمیں تار گھر جانا ہے..... وہاں سے ابا جان کو فون کریں گے، پھر تھانے جائیں گے۔" محمود نے اس ڈر سے فوراً کہا کہ کہیں بحث نہ شروع ہو جائے۔

"تھانے تم چلے جاؤ۔ تار گھر میں اور فرزانہ چلے جاتے ہیں، حوالات پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دینا، ویسے یہ دن دہاڑے تمہیں تھانے جانے کی کیا سوجھی۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"فاروق! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، یہ دن دہاڑے کا

وقت ہے۔

"اوہ ہاں.... یہ تو رات کا وقت ہے....." فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"دھت تیرے کی.... شروع ہو ہی گئے نا..... میں کہتا ہوں، ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور کام زیادہ۔"

"تو ہم کب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت بہت زیادہ ہے اور کام کم۔" فاروق گنگنایا۔

"اچھا، تم دونوں یہاں ٹھہر کر وقت برباد کرو، میں چلا۔"

یہ کہہ کر محمود پیر پٹختا ہوا باہر کی طرف چلا۔ یہ دیکھ کر فاروق اور فرزانہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔ اور اس کے دائیں بائیں پہنچ گئے۔

"سچ ہے.... دو فرشتے انسان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔"

"تمہارا مطلب نیکی اور بدی کے فرشتوں سے ہے اور شاید تم بدی کے فرشتے ہو۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بس تم دونوں کو مار بیٹھوں گا۔" محمود نے تلملا کر کہا اور شرفو کے کوارٹر پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

"بابا..... ذرا ہم باہر جا رہے ہیں، ایک گھنٹے تک لوٹ آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔

"تار گھر پہنچ کر انہوں نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا .... الائ[illegible] سلسلہ جلد ہی قائم ہو گیا۔

"ہیلو ابا جان! ہم یہاں خیریت سے پہنچ گئے ہیں، لیکن جو معاملہ شہر میں بالکل سیدھا سادا تھا، وہ حد درجے پیچیدہ ثابت ہوا، ہم اس میں الجھ کر رہ گئے ہیں، آپ کو مختصر طور پر حالات سناتا ہوں۔"

"مجھے پہلے ہی یہ خوف تھا، خیر کہو۔"

محمود نے تمام حالات کہہ سنائے۔ انسپکٹر جمشید چند لمحے تک سوچتے رہے، آخر بولے:

"اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہاں شرفو کا گھر ہے .... ہم چاہتے ہیں، آپ اس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر کے ہمیں پہنچا دیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا نواب شاکر کی حویلی میں فون ہے؟" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں فون تو ہے .... لیکن اس وقت ہم آپ کو تار گھر سے فون کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، تم نواب صاحب کا نمبر بتا دو .... میں تمہیں وہیں فون کروں گا۔"

محمود نے نمبر بتا دیا، شرفو کا بتایا ہوا پتا بھی انہیں نوٹ

کرا دیا۔ پتا نوٹ کرنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"چوکس رہنا، تم سخت خطرے میں ہو۔"

"جی کیا مطلب؟"

"تم نے بیس سال پرانی راکھ کو کریدا ہے، اس راکھ میں ابھی چنگاریاں باقی ہیں، اگر ان چنگاریوں نے آگ پکڑ لی تو آگ لگانے والا منظر عام پر آ جائے گا، لیکن بیس سال تک محفوظ رہنے کے بعد وہ ہرگز اسے پسند نہیں کرے گا کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگیں ..... لہٰذا تم اس کے لیے خطرے کی گھنٹیاں ہو ..... اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ محتاط رہنا۔"

"بہت بہتر ابا جان! آپ فکر نہ کریں۔"

اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ وہ تار گھر سے باہر نکلے اور تھانے کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ انہوں نے تار گھر کے ملازم سے پوچھا۔

"لو بھئی! ہم تو خطرے کی گھنٹیاں بن گئے۔" محمود نے بلبے بلبے [illegible] بھرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر کرو ..... کچھ تو بنے۔" فاروق مسکرایا۔

"ارے ..... تم کون ہو .... اور رات کے وقت کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو؟" ایک کرکتی آواز نے ان کے قدم روک لیے۔ وہ چونک کر مڑے۔ انہوں نے دیکھا، ایک حوالدار اور

دو کانسٹیبل ان کی طرف آ رہے تھے۔ یہ ابھی ابھی کسی گلی سے نکل کر
سڑک پر آئے تھے، شاید گشت پر تھے۔

"تو کیا یہاں دن کے وقت آوارہ گردی کرنے کی اجازت ہے"
فاروق نے کہا۔

"بکو مت.... جامو.... ان کے ہتھکڑیاں لگا دو۔"

"ارے ارے... بھائی ہم تو یہاں مسافر ہیں، بھلا مسافر
کہیں آوارہ گردی کیا کرتے ہیں..... کیوں محمود۔" فاروق نے مڑ
کر کہا۔

"ہاں! مسافر بے چاروں کو تو آوارہ گردی کرنے کا خیال
نہیں آتا۔"

"یہ تم کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہو۔" حوالدار نے
بھنا کر کہا۔

"آپ ہمیں ہتھکڑی لگا کر کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟"

"تھانے اور کہاں، حوالات میں بند کروں گا تمہیں، آٹے دال کا
بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔" حوالدار نے اکڑ کر کہا۔

"لیکن سب چیزوں کے بھاؤ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہیں"
فاروق بولا۔

"چلو.... لگاؤ ان کو ہتھکڑیاں.... دیکھیں گے، حوالات
کس رفتار سے چلتی ہے۔"

"دیکھیے جناب! آپ ہمیں تھانے لے جانا چاہتے ہیں نا۔"
فرزانہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"ہاں بالکل!"

"چلیے، ہم خود تھانے ہی جا رہے ہیں.... ہتھکڑیاں لگانے
کی ضرورت نہیں، ہم بھاگیں گے نہیں۔"

"تمہارا کیا اعتبار..... میں تمہیں ہتھکڑیاں ضرور لگاؤں گا۔"

"آخر کیوں..... کیا اس قصبے میں کوئی قانون نہیں۔"

"یہاں ان دنوں چوری چکاری کی وارداتیں بہت زیادہ ہو رہی ہیں،
اس لیے انتظامیہ نے رات کے گیارہ بجے کے بعد سڑکوں پر گھومنے
والوں کو حوالات پہنچانے کا حکم دے رکھا ہے۔" حوالدار نے بتایا۔

"لیکن ابھی تو پونے گیارہ بجے ہیں۔"

"تو کیا ہوا تھانے پہنچتے پہنچتے گیارہ بج جائیں گے۔" تھانے دار
بولا۔

"کیا معاملہ رفع دفع نہیں ہو سکتا۔" محمود نے معصومانہ انداز
میں کہا۔

"ان لوگوں کی تلاشی لو بھئی۔" حوالدار نے کانسٹیبلوں سے کہا۔
وہ ان کی تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھے۔ انہوں نے کوئی
اعتراض نہ کیا۔ ان کی جیبوں سے تمام نقدی نکال لی گئی.... باقی چیزیں
جوں کی توں رہنے دی گئیں۔ اس کے بعد حوالدار نے کہا:

"اب اپنے گھر کی طرف بھاگ جاؤ.... گیارہ بجنے م
گھر میں داخل ہو جاؤ، ورنہ دوبارہ آ پکڑوں گا۔"

"اور یہ ہماری نقدی۔"

"اس نقدی کی وجہ سے ہی تو تم حوالات کا منہ نہیں
رہے۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"دھت تیرے کی..... زندگی میں پہلی بار حوالات کا منہ
کا موقع ملا تھا، وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔" محمود نے جھلا
ران پر ہاتھ مارا۔

"چلتے پھرتے نظر آؤ، ورنہ حوالات میں ہی نظر آؤ گے"

"آؤ بھئی.... ذرا چلتے پھرتے نظر آئیں۔" محمود بولا۔

"لیکن چلتے پھرتے نظر آنے کی صورت میں تو کوئی دو
حوالدار ہمیں پکڑ لیں گے...." فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں، کہ گیارہ بجے سے پہلے گھر
جاؤ۔"

"آؤ بھی چلیں۔" انہوں نے کہا اور تھانے کی طرف بڑھنے لگے

"ارے.... ادھر کدھر جا رہے ہو؟" حوالدار نے بھنا کر کہا

"ہمیں ادھر ہی جانا ہے جناب۔" محمود نے کہا اور تیز تیز
لگا۔ فاروق اور فرزانہ بھی تیزی سے چلنے لگے.... حوالدار ا
کانسٹیبل کچھ دیر تو انہیں جاتے دیکھتے رہے پھر ان کے پیچھے

گے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے رفتار اور بڑھا دی:

"یار رونا آتا ہے مجھے اپنی قوم پر..... رشوت سے کوئی
بھی محکمہ شاید پاک نہیں رہ گیا۔" محمود نے افسوس زدہ
لہجے میں کہا۔

"رونے کی بجائے ہمیں ایسے لوگوں کو سزائیں دلوانے کی
کوشش کرنی چاہیے۔"

"ہم آخر کتنے لوگوں کو سزا دلوا سکتے ہیں۔"

"جس قدر بھی ممکن ہو..... ہر شخص اگر اپنی جگہ ہی
کوشش کرے تو یہ لعنت ختم ہو سکتی ہے..... واضح حدیث
ہے..... رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم
میں جائیں گے۔"

"خدا رحم کرے..... ارے یہ لوگ تو برابر ہمارے پیچھے
آ رہے ہیں۔"

"وہ تو گشت لگا رہے ہیں، اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔"
فاروق نے کہا۔

آخر وہ تھانے کے نزدیک پہنچ گئے۔ انہیں تھانے
کے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر حوالدار پیچھے سے للکارا۔
"ارے! تم کہاں جا رہے ہو۔"

"ہمیں یہیں آنا تھا اور ابھی چونکہ گیارہ بجنے میں چند منٹ ہیں ، اس لیے تم ہمیں گرفتار نہیں کر سکو گے۔" یہ کہتے ہو محمود تھانے میں گھس گیا۔ فاروق اور فرزانہ بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا انسپکٹر عارف اصفہانی اندر کرسی پر بیٹھا تھا۔

قاتلانہ حملہ

"ارے آپ لوگ ..... اس وقت ..... آپ نے کیوں تکلیف کی ، مجھے فون کر کے بلا لیا ہوتا۔" اس نے پرجوش انداز میں اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہمارا یہاں آنا ضروری تھا جناب ! آپ عمر میں ہم سے بڑے ہیں ، ہم بھلا آپ کو کس طرح بلا سکتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"ارے کوئی بات نہیں ، کیس کے سلسلے میں مجھے کہیں بھی بلایا جا سکتا ہے۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"کیا اس قصبے میں رات کے گیارہ بجے سڑکوں پر گھومنا منع ہے۔"

"ہاں ! یہ حکم ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی دیا گیا ہے ..... کیوں ..... آپ نے یہ کیوں پوچھا۔"

"آپ کے ایک حوالدار صاحب نے ہمیں پونے گیارہ بجے ہی روک لیا تھا ..... وہ ہمیں گرفتار کر کے یہاں لانا چاہتے تھے ، لیکن

پھر لائے نہیں۔"

"کیا آپ نے اپنا تعارف کرا دیا تھا؟" عارف اصفہانی نے کسی قدر پریشان ہو کر کہا۔

"جی نہیں تو۔"

"اوہ میں سمجھ گیا، حوالدار کا حلیہ کیا تھا؟"

"لمبے قد کے تھے، باریک مونچھیں.... اور ناک موٹی۔"

"میں سمجھ گیا، وہ ضرور دلیر خاں تھا، ابھی آدھ گھنٹے تک آتا ہی ہو گا، پھر میں اس کی خبر لوں گا اور آپ کی نقدی آپ کو واپس مل جائے گی۔"

"تو یہ سب کچھ آپ کے علم میں ہے؟"

"میں خود ایسی کمائی سے محفوظ ہوں.... لیکن دوسروں کو ابھی تک باز نہیں رکھ سکا۔"

"اگر یہ چیز آپ کے علم میں ہے، تب تو قابلِ اعتراض ہے، یا تو آپ اپنے ماتحتوں کو رشوت سے پاک کر دیں، یا یہ ملازمت ہی نہ کریں۔" محمود نے کہا۔

عارف اصفہانی کا رنگ اڑ گیا، چند لمحے تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہ گیا، پھر بولا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں.... میں اب یہی کروں گا.... رشوت خور ماتحتوں کو درست کرواؤں گا، یا استعفیٰ دے دوں گا۔"

"بہت خوب! اب آئیے، نواب فخرالدین کے کیس کی طرف..... یہ واردات آپ کے والد کے زمانے میں ہوئی تھی، پھر تو آپ کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گا، کیا آپ وہ فائل ہمیں نکال کر دے سکتے ہیں؟"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔" اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ فائل لے آیا۔ انہوں نے فائل کا مطالعہ کیا، لیکن کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی..... دفار گردیزی انہیں پہلے ہی کافی کچھ بتا چکا تھا۔ پوری فائل کا مطالعہ کرنے اور چند سیکنڈ تک سوچ میں گم رہنے کے بعد محمود نے کہا۔

"اس فائل میں اور تو سب کچھ ہے، اکبر بیگ کی تصویر نہیں ہے۔"

"اس کی کوئی تصویر مل ہی نہیں سکی تھی۔" عارف نے کہا۔

"اب آپ نے اسے دیکھا بھی نہیں کہ حلیہ ہی بتا سکیں۔"

"حلیہ تو آپ کو نواب شاکر اور گردیزی صاحب بھی بتا سکتے ہیں۔" عارف اصفہانی بولا۔

"ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

اسی وقت، قدموں کی چاپ سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر دیکھا، حوالدار اور دونوں کانسٹیبل چلے آ رہے تھے۔ ان لوگوں کی نظریں ان پر پڑیں تو دھک سے رہ گئے۔

"چلے آؤ رانا صاحب..... ان لوگوں کو یہاں دیکھ کر آپ

ٹھٹک کیوں گئے؟"

"یہ.... یہ تو تقریباً آدھ گھنٹا پہلے یہاں آئے تھے.... ابھی تک یہیں ہیں" حوالدار کے منہ سے پریشان کن آواز میں نکلا۔

"ہاں! میں تمہاری رپورٹ کر رہا ہوں.... تم تینوں نے ان کی جیبوں سے نقدی نکالی ہے۔"

"نہیں!" حوالدار خوف زدہ انداز میں بولا۔

"اچھا جناب! ہم چلتے ہیں، ان لوگوں سے آپ نبٹتے رہیے۔"

یہ کہتے ہوئے محمود، فاروق اور فرزانہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ حویلی میں داخل ہو رہے تھے، ان کے لیے دروازہ بابا شرفو نے کھولا۔

"نواب صاحب تو اس وقت سو چکے ہوں گے۔"

"جی ہاں.... وہ عام طور پر گیارہ بجے تک سو جاتے ہیں.... صبح نماز کے لیے بھی اٹھنا ہوتا ہے نا۔" شرفو نے کہا۔

"بہت خوب! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں.... ہم دراصل ان سے سوالات نہیں کر سکے، خیر اب صبح سہی...."

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اس وقت تک کافی دوڑ دھوپ کر چکے تھے، اس لیے، لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ لیکن اچانک محمود کی آنکھ کھل گئی.... اس نے اپنا دم گھٹتا محسوس کیا۔ اس نے گھبرا کر فاروق اور فرزانہ کی طرف

دیکھا، وہ بے سدھ سو رہے تھے، وہ جلدی سے بستر سے اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے ان کی طرف بڑھا.... ابھی انہیں جھنجھوڑنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ان کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کمرے میں آکسیجن ختم ہو چکی تھی.... اندر کوئی گیس بھر گئی تھی.... نظر نہ آنے والی گیس.... اس گیس میں ان کا دم گھٹتا جا رہا تھا.... گھبراہٹ کے عالم میں وہ دروازے کی طرف بڑھے، دروازے کا ہینڈل پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی اور اس وقت انہیں یہ خوفناک حقیقت معلوم ہوئی کہ دروازہ باہر سے بند کیا جا چکا تھا.... لے دے کے کھڑکیوں کا سہارا تھا.... کمرے میں دو کھڑکیاں تھیں.... محمود تیزی سے ان میں سے ایک کی طرف بڑھا.... اور فاروق دوسری کی طرف، فرزانہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ محمود اور فاروق نے کھڑکیوں کے ہینڈل پکڑ کر کھینچے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، یہ عجیب بات تھی.... کھڑکیوں میں تو چٹخنیاں اندر کی طرف ہوتی ہیں.... تو پھر انہیں باہر سے کس طرح بند کیا گیا تھا.... گویا انہیں جان سے مارنے کا بڑا زبردست منصوبہ بنایا گیا تھا....

اس وقت انہیں اپنے والد کی نصیحت یاد آئی.... سونے سے پہلے احتیاطی تدابیر کا خیال تک ان کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ وہ کانپ اٹھے۔

ان کے جسموں سے جان لمحہ بہ لمحہ نکلتی جا رہی تھی
..... دونوں زیادہ دیر تک اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہ سکے،
فرش پر گر گئے:

"اوہ ..... فاروق ..... لگ ..... کیا ہمارا آخری وقت آ پہنچا
ہے" محمود نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"شش شاید ..... نظر تو یہی آتا ہے" فاروق کے منہ
سے مردہ آواز نکلی۔

"فرزانہ ..... کیا تم ہوش میں ہو، آؤ ہم آخری بار ایک دوسرے
کو دیکھ لیں ..... اُف ہمارے بعد امی جان اور ابا جان کا کیا
حال ہو گا، ان کے دلوں پہ کیا گزرے گی" محمود نے لڑکھڑاتی
آواز میں بمشکل کہا۔

"قق ..... قیامت ..... گزرے گی ..... اور کیا ....." فاروق
کی آواز نکلی۔

"محمود ..... میں ..... میں چلی ..... میرا ..... میرا دم نکلا ..... اچھا
..... خدا حافظ ..... میرے بھائیو ..... خدا حافظ" فرزانہ نے
کہا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"نہیں!! محمود چلا اٹھا۔

"فرزانہ ..... تم مر نہیں سکتیں ..... ہم سے پہلے تم کس طرح مر سکتی

ہو" فاروق پکارا، لیکن فرزانہ کے جسم نے کوئی حرکت نہ کی۔

"م ..... محمود ..... شاید یہ ابھی بے ہوش ہو ..... خدا کے لیے
کچھ کرو"

"م ..... میں کیا کر سکتا ہوں"

"اوہ ہاں ..... تم ..... تم کیوں اپنا چاقو نکال کر روشن دان
کے شیشے پر نہیں دے مارتے"

"اف خدا ..... تم نے پہلے کیوں یہ ترکیب نہ بتائی"

محمود نے بوکھلا کر کہا اور جوتے کی طرف ہاتھ بڑھایا،
ہاتھ بمشکل جوتے تک پہنچ سکا ..... اس نے ایڑی کو کھسکانے کی
کوشش کی، لیکن اس کی کوشش ناکام گئی ..... بے چارگی کے
عالم میں اس نے کہا:

"فق ..... فاروق ..... مجھ سے ایڑی نہیں کھسک رہی"

"ٹھہرو ..... میں بھی تمہارے ساتھ زور لگاتا ہوں"

فاروق کسی نہ کسی طرح کھسک کر محمود تک پہنچا اور پھر
اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایڑی پر جما دیں ..... دونوں نے
مل کر اس ایڑی پہ زور لگایا جو عام حالات میں ایک انگلی کے
ذرا سے زور سے کھسک جاتی تھی ..... اور پھر ایڑی آہستہ آہستہ
کھسکنے لگی۔ فاروق چلا اٹھا:

"محمود ..... یہ ..... یہ کھسک رہی ہے"

"ہاں! لیکن اگر ہم فرزانہ کو نہ بچا سکے .... تو زندگی کا کوئی مزا نہیں۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت ایڑی پوری کھسک گئی ..... اب چاقو ان کے سامنے تھا .... محمود نے اسے اٹھا کر ہاتھ اوپر کیا ۔..

"محمود .... کیا تم اس حالت میں اسے روشن دان پر مار سکو گے۔"

"خدا کو یاد کرو فاروق، اس سے مدد مانگو .... ہم دیکھ چکے ہیں، انسان کتنا بے بس ہے ...." محمود نے کہا، دل ہی دل میں خدا کو یاد کیا .... کلمہ طیبہ پڑھا .... اور چاقو روشن دان کی طرف اچھال دیا ..... چاقو طاقت سے نہیں اچھالا گیا تھا، شاید نشانہ بھی درست نہیں تھا، لیکن وہ شیشے سے ہی ٹکرایا، ایک چھناکا ہوا اور شیشے کے ٹکڑے فرش پر گرے، ساتھ ہی انہیں یوں محسوس ہوا کہ گیس ہلکی ہو گئی ہے ..... محمود نے اپنے جسم میں زندگی کی ایک لہر سی دوڑتے محسوس کی۔ اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں گیس کے ہیٹر پر جم گئیں .... شاید ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر باہر سے گیس بند کر کے اندر سے کھول دی گئی تھی اور جب وہ اندر آ کر سو گئے تو باہر سے کھول دی گئی .... اس طرح گیس کمرے میں بھرتی چلی گئی ..... لیکن چونکہ گیس بہت ہلکی تھی، اس لیے روشن دان کا شیشہ گرتے

ہی کمرے سے نکلنے لگی .....

محمود تیزی سے ہیٹر کی طرف بڑھا، اور گیس کا سلسلہ بند کر دیا گیا .... آناً فاناً میں کمرہ گیس سے خالی ہو گیا، ان کے جسموں میں پھر سے خون دوڑنے لگا، وہ تیزی سے فرزانہ کی طرف بڑھے ..... انہوں نے فرزانہ کی نبض دیکھی .... نبض چل رہی تھی۔

"فاروق! یہ ابھی زندہ ہے۔" محمود چلایا۔

"خدا کا شکر ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ فرزانہ نے آنکھیں کھول دیں اور بولی:

"کیا ہم اس وقت عالم بالا میں ہیں۔"

"نہیں! ابھی خدا کو ہماری زندگی منظور تھی .... محمود نے کہا اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا ..... فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اب دونوں مل کر دروازہ دھڑ دھڑانے لگے۔

"ٹھہرو بھئی ...... ابھی دروازہ کھل جاتا ہے .... آخر ہوا کیا، خیر تو ہے ..... ارے یہ دروازہ باہر سے کسی نے بند کر دیا۔"

نواب شاکر کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور پھر دروازہ کھل گیا ..... سب لوگ کمرے کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ ان کے چہرے دھواں دھواں دیکھ کر نواب صاحب،

بوکھلا اٹھے:

"کیا معاملہ ہے بھئی؟"

"ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔" محمود نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" پھر اس نے تفصیل سنا دی۔ ان سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سب سے پہلے تو ہمیں عارف اصفہانی کو فون کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ یہاں آئیں اور رپورٹ لکھیں۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگوں پر قاتلانہ حملے کا مطلب یہ ہے کہ نواب فخرالدین والا معاملہ ایک بار پھر سے زندہ ہو گیا ہے.... ضرور کوئی چکر اندر ہی اندر چل رہا ہے...." وقار گردیزی بولے

"آپ کا خیال درست ہے، اور ہم اس چکر کو معلوم کر کے رہیں گے.... ارے.... پہلے تو ہمیں صدرالدین کو دیکھنا چاہیے.... کہیں اس کے کمرے میں بھی تو گیس نہیں چھوڑ دی گئی۔" فرزانہ کو اچانک خیال آیا، کیونکہ ان کے کمرے کے دروازے پر موجود لوگوں میں صدرالدین نہیں تھا۔

انہوں نے ساتھ والے کمرے کے دروازے کو دیکھا، اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا، دباؤ ڈال کر دیکھا

تو اندر سے بند ملا.... محمود نے آگے بڑھ کر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا ڈالا.... آخر تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد صدرالدین نے دروازہ کھول دیا اور نیند میں ڈوبی آنکھوں کو مشکل سے کھولتے ہوئے اس نے کہا:

"کیا بات ہے جناب.... مجھے کیوں اٹھایا گیا ہے۔"

"یہ معلوم کرنا تھا کہ آپ خیریت سے تو ہیں، کیونکہ ہمیں گیس کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔" محمود نے اسے چونک کر دیکھتے ہوئے کہا، کیونکہ اسے اس کا آنکھیں ملنا کچھ مصنوعی سا لگا تھا، اس نے محسوس کیا، صدرالدین پہلے ہی اپنے کمرے میں جاگا ہوا تھا۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ آرام کریں۔" محمود بولا اور صدرالدین واپس مڑ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔

سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ایسے میں محمود نے فرزانہ کے کان میں کہا:

"کیوں نہ ہم ابا جان کو یہاں بلا لیں، اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ.... بیس سال پہلے نواب فخرالدین کی حویلی کو جان بوجھ کر آگ لگائی گئی تھی اور آگ لگانے والا اس وقت

اس حویلی میں موجود ہے، اگر موجود نہ ہوتا تو ہمیں گیس کے ذری
ہلاک کرنے کی کوشش کس طرح کر سکتا تھا۔"

"ہوں! کیا کوئی باہر کا آدمی یہ کوشش نہیں کر سکتا" فرز
نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ابھی معلوم کرتا ہوں" یہ کہہ کر محمود نواب شاکر کی طرف م

"کیوں جناب! حویلی کا بیرونی دروازہ رات کو کس وقت ب
کیا جاتا ہے؟"

"دس بجے" انہوں نے کہا۔

"اور دس بجے ہم سب لوگ جاگ رہے تھے، ہم اپنے اپ
کمروں میں سونے کے لیے دس بجے کے بعد گئے تھے" محمود
نے کہا۔

"تو پھر اس سے کیا.... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"یہ کہ گیس ہمارے کمرے میں جس نے بھی چھوڑی ہے، وہ حو
میں ہی موجود تھا، باہر سے نہیں آیا تھا.... دن کے وقت
اس نے بیرونی سوئچ بند کر کے کمرے کے اندر ہیٹر کا سوئچ کھو
دیا اور جب ہم سو گئے تو اس نے بیرونی سوئچ کھول دیا،
اس طرح گیس کمرے میں بھرنے لگی۔"

"اُف میرے خدا.... تو کیا آپ ہم میں سے کسی کو مجرم سمجھ
ہیں" نواب شاکر نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا.... اس کا انداز

بالکل معصومانہ تھا....

"ان حالات میں اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے" محمود کی بجائے
فاروق بول اٹھا۔

"اور اب ہم اپنے والد کو یہاں بلائیں گے، کیونکہ معاملہ اب
خوفناک صورت اختیار کر چکا ہے....."

"گویا اس معاملے کو آپ نہیں سلجھا سکتے"۔

"سلجھانے کو تو سلجھا سکتے ہیں، لیکن اس طرح زیادہ وقت لگ
جائے گا اور ہمارے سکول کا حرج ہوگا، ہم تو یہاں صرف
صدر الدین صاحب کو نواب فخر الدین صاحب کے حوالے کرنے آئے تھے،
اب کیا معلوم تھا کہ حالات ایک عجیب وغریب رُخ اختیار کریں گے۔
ہماری تفتیش کی رفتار میں اور ابا جان کی تفتیش کی رفتار میں زمین آسمان
کا فرق ہے.... اور پھر یہ معاملہ ہے بھی تو بیس سال پرانا، اگر تازہ
ہوتا تو بات اور تھی.... ہمیں یہاں سے اکبر بیگ کی کوئی تصویر بھی
نہیں مل سکی.... اگر اس کی تصویر مل جاتی تو ہم بہت کچھ کر سکتے تھے"۔

"آپ کو اس کا حلیہ تو بتایا ہی جا سکتا ہے" وقار گردیزی نے کہا۔

"جی ہاں! لیکن حلیہ وہ کام نہیں دیتا جو تصویر.... خیر.... ہم آپ
لوگوں سے اس کا حلیہ ہی معلوم کریں گے.... پہلے ذرا عارف صاحب
اور اپنے والد صاحب کو فون کر لیں۔"

"تو آپ صبح کیوں فون نہیں کر لیتے.... اس وقت تو وہ سو....

رہے ہوں گے۔" نواب شاکر بولے۔

"ان کے لیے یہ عام بات ہے، رات کے وقت فون پر کو
اطلاع موصول کرنا....."

یہ کہہ کر محمود فون کی طرف بڑھا۔ نہ جانے وہ کیوں
ایسا محسوس کر رہا تھا کہ آج کی رات ان پر بھاری ہے۔ اس نے
ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر دھک سے رہ گیا.....
فون مردہ تھا، شاید تار کاٹ دیے گئے تھے۔

ابا جان آگئے

"کیا بات ہے محمود.... کیا فون نے تمہیں پکڑ لیا ہے۔" فاروق
نے اسے ساکت پا کر کہا۔

"نہیں! کوئی پہلے ہی فون پر ہاتھ صاف کر چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" کمرے میں موجود سب لوگ چونک اٹھے۔

"گیس ہمارے کمرے میں چھوڑنے والے نے فون کے تار پہلے
ہی کاٹ دیے ہیں، تاکہ ہم فوری طور پر نہ تو پولیس کو فون کر
سکیں اور نہ کسی اور کو بلا سکیں۔"

"اوہ!" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ خود ہی تھانے
جائیں، عارف صاحب کو سارے حالات سنائیں اور وہیں سے
ابا جان کو فون کریں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، اگر آپ خود جانا چاہیں تو میں گاڑی نکلوا دیتا
ہوں، ورنہ میں فیضو وغیرہ کو بھیج دیتا ہوں۔" نواب شاکر نے
کہا۔

"جی نہیں! اگر صرف عارف صاحب کو بلانا ہوتا تو اور بات تھی، ہمارے والد صاحب ہماری آواز سن کر ہی فون کی اطلاع کو درست مانیں گے"

"اچھی بات ہے، میں فیقو کو آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں" نواب شاکر نے کہا۔

"محمود فاروق .... تم دونوں تھانے جاؤ، میں یہیں ٹھہروں گی" فرزانہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

وہ سمجھ گئے کہ فرزانہ وہاں ٹھہر کر حالات کا جائزہ لینا چاہتی ہے، چنانچہ فاروق نے کہا۔

"ہم جانتے ہیں، تم ہمیشہ ایسے موقعوں پر جان چھڑا لیتی ہو، خیر یونہی سہی۔"

یہ کہہ کر دونوں نواب شاکر کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"شرفو بابا.... کیا آپ اکبر بیگ کا حلیہ بتا سکتے ہیں مجھے" فرزانہ ان کے جانے کے بعد اچانک شرفو کی مڑی۔

"جی ہاں.... جی میں.... نہیں تو.... بھلا میں اس کا حلیہ کس طرح بتا سکتا ہوں۔ میں نے اسے بھلا کب دیکھا ہے" شرفو نے جلدی سے کہا، فرزانہ کو بہت حیرت ہوئی کہ پہلے شرفو کے منہ سے سوچے سمجھے بغیر جی ہاں کیوں نکل گیا۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے، آپ تو اس وقت یہاں موجود ہی نہیں تھے

خیر.... بیگم صاحبہ آپ تو اکثر اکبر بیگ کو دیکھتی رہی ہوں گی"

"کمال کرتی ہو تم .... بھئی میری شادی تو نواب صاحب سے نواب فخرالدین کی حویلی جلنے کے بعد ہوئی تھی" بیگم شاکر نے تنک کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے.... خیر تو جناب وقار گردیزی.... آپ تو اس کا حلیہ ضرور ہی بتا سکتے ہیں"

"جی ہاں کیوں نہیں، لیکن بات بیس سال پرانی ہے، ہو سکتا ہے میں بالکل ٹھیک حلیہ نہ بتا سکوں"

"آپ بتائیے تو سہی...." فرزانہ نے اپنی نوٹ بک اور پنسل سنبھالتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک پتلا دبلا آدمی تھا، چہرے کے نقوش تیکھے تھے، سرمئی آنکھیں، سیدھی ناک، باریک باریک ہونٹ، بھورے بھورے بال، قد درمیانہ، جبڑے ابھرے ہوئے ..... بس میرے ذہن میں تو اس کا یہی حلیہ ہے"

اسی وقت نواب شاکر اندر داخل ہوئے:

"آپ کے بھائی کار میں تھانے کی طرف روانہ ہو گئے ہیں" انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ! نواب صاحب کیا آپ اکبر بیگ کا حلیہ بتا سکتے ہیں"

"جی ہاں کیوں نہیں، بھلا یہ کیا مشکل ہے۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"گویا آپ کو اس کا چہرہ مہرہ اچھی طرح یاد ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں، آخر میں اسے طویل عرصے تک دیکھتا رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"دیکھئے تو آپ کے دوست وقار گردیزی بھی رہے ہیں.... لیکن ان کا خیال ہے کہ بیس سال گزرنے پہ شاید وہ بالکل درست، حلیہ نہیں بتا سکتے۔"

"کیوں گردیزی صاحب!.... یہ کیا بات ہوئی...... آپ بھی تو اکبر بیگ کو تقریباً ہر روز دیکھتے رہے ہیں۔" نواب شاکر ان کی طرف مڑے۔

"یہ ٹھیک ہے، لیکن بات یادداشت کی ہے، آپ کی یادداشت یقیناً مجھ سے تیز ہوگی۔"

"شاید یہی بات ہے۔" نواب شاکر مسکرائے۔

"اچھا تو نواب صاحب.... آپ حلیہ بتائیے.... اس کے بعد آپ لوگ آرام...... کر سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے..... اکبر بیگ پتلا دبلا سا تھا، اس کے ہونٹ بھی پتلے پتلے تھے، سر کے بال بھورے تھے.....ناک ستواں تھی اور آنکھیں کالی ـــ ابھرے ہوئے جبڑے اور گول ٹھوڑی۔"

فرزانہ یہ حلیہ بھی نوٹ کرتی چلی گئی، پھر دونوں پر

ایک نظر ڈال کر حیرت زدہ آواز میں بولی:

"گردیزی صاحب کا کہنا ہے کہ اس کی آنکھیں سرمئی تھیں جبکہ آپ نے کالی بتائی ہیں.... بس آپ دونوں کے بتائے ہوئے حلیوں میں یہی فرق ہے۔"

"اچھا کمال ہے.... مجھے تو اس کی آنکھیں کالی ہی نظر آتی تھیں۔"

"اور مجھے سرمئی.... ہو سکتا ہے، میں کالی کو سرمئی خیال کرتا رہا ہوں۔" وقار گردیزی نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں.... ویسے نواب صاحب.... ہمارا واسطہ بہت بہت پیچیدہ کیسوں سے پڑ چکا ہے.... اور یہ کیس بھی ان میں سے ایک ہے..... کیا آپ واقعی یہ پسند کریں گے کہ بیس سال پہلے یہ جرم کرنے والا گرفتار ہو جائے۔"

"اس سے بڑھ کر میری کیا خواہش ہو سکتی ہے۔"

"بہت خوب! اب میں اپنے کمرے میں جا کر کچھ غور کرنا چاہتی ہوں.... آپ لوگ بھی آرام کریں۔"

اپنے کمرے میں آ کر فرزانہ نے کھڑکیاں کھول دیں۔ سوئچ کو پہلے ہی احتیاط سے بند کر دیا گیا، کیونکہ اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ہو سکتے تھے۔

اس کے بعد وہ ایک بڑا سا کاغذ اور پنسل لے کر بیٹھ گئی، وہ

کاغذ پر جھک گئی، اس کی پنسل تیزی سے چلنے لگی .... یہاں تک
کہ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ کب محمود اور فاروق کمرے میں
داخل ہو چکے ہیں اور کھڑے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں۔

"اتنی محویت بھی کس کام کی .... کہ مجرم دبے پاؤں اندر داخل
ہو اور تمہارے گلے میں رسی کا پھندا ڈال دے۔" فاروق کی آواز
نے اسے چونکا دیا۔

"اوہ آؤ بھئی .... سناؤ، فون کر آئے ....؟" اس نے اب بھی سر
اوپر اٹھائے بغیر کہا۔

"ہاں اور عارف صاحب ہمارے ساتھ آئے ہیں۔"

"ارے!" اب فرزانہ نے سر اوپر اٹھایا اور پھر اٹھ کر کھڑی
ہو گئی، ساتھ ہی اس نے کاغذ لپیٹ لیا۔

"مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔"
انسپکٹر عارف نے شرمسار انداز میں کہا۔

"اس میں آپ کا کیا قصور .... کیا آپ فوٹو گرافروں کو ساتھ
لائے ہیں۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"جی ہاں .... وہ بیرونی سوئچ پر پاؤڈر چھڑک کر نشانات اٹھانے
کی کوشش کر رہے ہیں .... ابھی اندر آئیں گے۔"

"بہت خوب۔"

"لیکن فرزانہ .... تم آخر کیا کر رہی تھیں۔"

"ایک ضروری کام .... یہ سناؤ کہ ابا جان نے کیا کہا ہے۔"

"صبح ناشتے کی میز پر وہ بھی یہاں موجود ہوں گے۔"

"بہت خوب .... پھر تو مزا آ جائے گا۔" فرزانہ چہکی۔

"ہاں! وہ بھی آئے گا۔" فاروق نے کہا۔

اسی وقت دو فوٹو گرافر اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے
ایک نے کہا:

"بیرونی سوئچ پر انگلیوں کے نشانات نہیں مل سکے۔"

"خیر! اب اس سوئچ کو دیکھو۔" عارف نے اشارہ کیا۔

وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

"محمود، فاروق .... ایک کام تمہارے ذمے ہے۔"

"اپنے ذمے بھی کوئی کام لگا لیا کرو۔" فاروق نے جل کر
کہا۔

"میں اپنے حصے کا کام پہلے ہی کر چکی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"چلو بتاؤ۔" محمود نے کہا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ ڈرائنگ میں کتنے ماہر ہو .... یہ ایک
حلیہ نوٹ بک پر لکھا ہوا ہے .... اس شکل صورت کا آدمی
بنا دو۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت .... یہ کس کا حلیہ ہے۔" محمود نے
حیران ہو کر کہا۔

"اکبر بیگ کا..... یہ حلیہ نواب صاحب اور وقار گردیزی صاحب نے لکھوایا ہے، دونوں کے حلیوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک نے آنکھوں کا رنگ سرمئی اور دوسرے نے سیاہ بتایا ہے۔"

"خیر..... ہم یہ کوشش کریں گے۔"

دونوں الگ الگ کرسی پہ بیٹھ گئے، میز درمیان میں تھی، تیزی سے تصویریں بننے لگیں..... انسپکٹر عارف انہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھنے لگا..... تقریباً پندرہ منٹ بعد دونوں نے تصویر مکمل کر لی۔ اب تینوں نے اپنی اپنی تصویر میز پہ رکھ دی۔

انسپکٹر عارف بھی ان کے ساتھ تینوں تصویروں پہ جھک گیا، اس نے دیکھا، ایک نوجوان پتلے دبلے آدمی کی تینوں تصویروں میں بہت معمولی فرق تھا۔

"اب ہم یہ تصویریں نواب صاحب اور گردیزی صاحب کو دکھائیں گے اور اکبر بیگ کے حلیے سے مطابقت کھانے والی تصویر کو سامنے رکھ کر اس کیس کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جناب! اس سوئچ پر بھی انگلی کا کوئی نشان نہیں ہے، گویا جس نے بھی یہ کام کیا ہے، اس نے یا تو انگلیوں پہ رومال لپیٹ رکھا تھا، یا پھر ہاتھ پہ دستانہ چڑھا رکھا تھا۔" فوٹو گرافر نے کہا

"ہوں..... خیر کوئی بات نہیں..... آپ رپورٹ لکھ لیں..... یہ بھی کہ اس وقت گھر کے تمام دروازے بند تھے، یعنی باہر سے کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔"

"اچھی بات ہے۔"

تھوڑی دیر بعد عارف اصفہانی اور اس کے ساتھ چلے گئے اور وہ ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گئے، لیکن ایسے میں نیند کیا آتی..... مجرم ان پہ پھر حملہ کر سکتا تھا..... آخر صبح کے تین بجے کے قریب حویلی کے دروازے کی گھنٹی بجی اور وہ چونک اٹھے۔ فرزانہ نے چھلانگ مار کر اٹھتے ہوئے کہا:

"ابا جان آ گئے۔"

○

تینوں کمرے سے نکل کر دروازے پہ پہنچے..... اسی وقت شرفو بھی دروازے کی طرف آتا نظر آیا۔

"ابا جان! آپ تو صبح پہنچنے والے تھے۔"

"ہاں تم تینوں کے لیے بہت فکر مند تھا، اس کی طرف سے دوسرا حملہ تو نہیں ہوا۔"

"جی نہیں۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں۔" شرفو نے نزدیک

آکر کہا۔

"شرفو بابا .... یہ ہمارے ابا جان ہیں .... ہم نے انہیں
کے بلایا ہے" فاروق نے اسے بتایا۔

"اوہ .... تو .... تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں" شرفو نے تھرتھراتی
آواز میں کہا۔ انہوں نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔ فاروق سے رہا نہ
گیا، بول پڑا:

"شرفو .... بابا .... آپ کو کیا ہو گیا ہے .... آپ کی آواز کیوں
کانپ رہی ہے .... ان دنوں اتنی سردی بھی نہیں اور ہمارے
ابا جان کوئی بھوت بھی نہیں"

"شاید .... یہ مجھے اپنے نزدیک پا کر کانپ اٹھے ہیں" انسپکٹر
جمشید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ج .... جی .... جی ہاں .... جی ہاں .... بالکل یہی بات ہے"
شرفو نے جلدی سے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آئیے ابا جان! اندر چلیں" فرزانہ بولی،

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں"

"جی نہیں .... شکریہ! آپ دروازہ اندر سے بند کر لیں اور آرام
کریں، صبح آپ سے ملاقات ہو گی"

وہ انہیں لے کر اپنے کمرے میں آئے...

"ہاں بھئی .... اب پوری تفصیل مجھے سنا دو .... یہ بھی کہ تم

لوگوں نے اب تک کیا معلوم کیا ہے اور کس نتیجے پر پہنچے ہو"

انہوں نے ایک ایک بات دہرا دی۔ پھر اپنی بنائی ہوئی
تصویریں بھی ان کے سامنے رکھ دیں، وہ انہیں کئی سیکنڈ تک
دیکھتے رہے، پھر بولے:

"ہوں! ٹھیک ہے .... صبح ناشتے کی میز پر صورتِ حال کا
جائزہ لوں گا"

"آپ بھی تو بتائیں .... آپ کیا معلوم کر آئے ہیں .... شرفو
اور اس کے بیٹے کے بارے میں"

"اس پتے پر کوئی نہیں مل سکا، ظاہر ہے کہ شرفو تو یہاں
موجود ہے، رہا اس کا بیٹا .... تو وہ بھی گھر نہیں مل سکا...
تاہم میں نے اکرام کے ذریعے آس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ
کرائی ہے .... پڑوسیوں نے اس کے بیٹے کو دیکھا ہے .... لیکن
وہ زیادہ تر کالج کے ہوسٹل میں رہتا ہے، گھر کبھی کبھار ہی
آتا ہے، اس کا حلیہ بھی معلوم کرایا ہے ..... وہ ایک
...خوبصورت نوجوان ہے، اس کا رنگ گورا، آنکھیں نیلی اور قد
لمبا ہے"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں"

"ابھی نہیں، ناشتے کی میز پر یہ کوشش ضرور کروں گا" انسپکٹر
جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

" عجیب بے تکا سا کیس ہے..... شروع کیا تھا اور بعد
کیا واقعات سامنے آئے..... چلے تھے پچیس ہزار کا انعام
کرتے " فرزانہ نے منہ بنایا۔

" پچیس ہزار نہیں ملے، نہ سہی، کیس تو مل گیا ہے " فاروق
مسکرا کر بولا۔

" اچھا! اب تم تینوں سو جاؤ..... میں جاگ کر پہرا دوں گا "
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" لیکن ابا جان! آپ سفر کرتے آئے ہیں..... آرام تو آپ کو
کرنا چاہیے " محمود نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

" تم میری فکر نہ کرو..... چلو سو جاؤ "

مجبوراً انہیں لیٹنا پڑا۔ اور پھر گھر کے افراد نے انسپکٹر
جمشید کو میز پر ہی دیکھا..... وہ تقریباً تیس سیکنڈ تک انہیں پھٹی
پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے، ادھر انسپکٹر جمشید بغور ان کے چہروں
کا جائزہ لے رہے تھے۔ ناشتے کی میز پر صدر الدین بھی موجود
تھا، شرفو میز پر ناشتا لگا رہا تھا۔

" حیرت ہے، آپ رات کس وقت پہنچے " نواب شاکر نے سرسراتی
آواز میں کہا۔

" تین بجے کے قریب..... کیوں بابا شرفو..... یہی وقت ہوا تھا "
انسپکٹر جمشید بولے۔

" ج..... جی ہاں " شرفو نے بوکھلا کر کہا۔ اور وہ حیران ہوئے
بغیر نہ رہ سکے کہ آخر شرفو اتنا گھبرا ہوا کیوں ہے، شاید انسپکٹر جمشید
نے بھی یہی اندازہ لگانے کے لیے اس سے پوچھا تھا۔

" چلیے اچھا ہوا..... اب اس معاملے کا کوئی سر پیر تو سمجھ
میں آ جائے گا " نواب شاکر نے پرسکون انداز میں کہا۔

" اور کیا..... بیس سال بعد اگر یہ واقعہ تازہ ہوا ہے تو کچھ
نہ کچھ تو ہونا چاہیے " وقار گردیزی بولے۔

" بابا..... شرفو..... آپ کیا کہتے ہیں..... کیا اس واقعے پر سے
پردہ ہٹ جانا چاہیے "۔

" جی..... بھلا میں..... میں کیا کہہ سکتا ہوں..... اور میں کیوں
نہ چاہوں گا کہ پردہ ہٹ جائے " اس نے اب بھی لڑکھڑاتی
آواز میں کہا۔

" بہت خوب! تو پھر آج شام کو یہ معاملہ نبٹ جائے گا "
انسپکٹر جمشید نے دھیمی آواز میں کہا، لیکن ان کی یہ دھیمی آواز
بھی کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔

" کیا مطلب! " وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

" جی ہاں! آپ لوگ بے فکر رہیں..... میں ذرا جلی ہوئی حویلی
پر ایک نظر ڈالوں گا..... شاید کوئی سراغ مل جائے "
ناشتے سے فارغ ہو کر وہ باہر نکل آئے اور جلی ہوئی حویلی

کی طرف بڑھنے لگے۔

"ابا جان! کیا آپ جان چکے ہیں کہ یہ چکر کیا ہے؟"

"کسی حد تک... لیکن ابھی چند باتیں میرے ذہن میں صاف نہیں ہو سکیں.... اسی لیے اس حویلی کا جائزہ لینا چاہتا ہوں ویسے اس بار مجرم کے خلاف کوئی ثبوت مہیا کرنا بہت مشکل نظر آ رہا ہے، کیونکہ یہ بہت پرانا معاملہ ہے...."

"لیکن ثبوت کے بغیر آپ مجرم کو قانون کے حوالے کس طرح کریں گے؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"پہلے حویلی کا جائزہ لے لوں۔"

وہ جلی ہوئی حویلی میں داخل ہوئے اور پھر اس کمرے میں آئے جس میں نواب فخر الدین کی تصویر تھی۔ کئی منٹ تک وہ تصویر کو غور سے دیکھتے رہے، آخر بولے:

"اس میں تو اب کوئی شک نہیں رہا کہ صدر الدین نواب فخر الدین کا ہی بیٹا ہے۔"

"لیکن ابا جان.... نواب شاکر کا کہنا ہے کہ نواب فخر الدین کا بیٹا جل مرا تھا۔"

"ہاں! میں یہ بات جانتا ہوں.... اسی لیے میں الجھن محسوس کر رہا ہوں.... خدا جانے کیا چکر ہے.... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے چکرا کر رکھ دے گا۔" ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تب پھر یہ اعلان کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ آج شام یہ معاملہ نبٹ جائے گا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"میں ان سب کے چہروں کا جائزہ لینا چاہتا تھا، یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے اعلان سے کس کا رنگ اڑتا ہے اور کسے خوشی ہوتی ہے۔"

"تو پھر.... آپ نے کیا اندازہ لگایا؟" فرزانہ بے چین ہو کر کہا۔

"میں نے ان میں سے ایک کا رنگ اڑتے دیکھا تھا.... باقی لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ! وہ.... وہ کس کا چہرہ تھا؟"

"یہ ابھی نہیں بتاؤں گا.... محمود.... چاقو سے وہ جگہ کھود دو.... جہاں سے تمہیں اشرفی ملی تھی.... شاید اس جگہ ابھی کچھ اور اشرفیاں ہوں۔"

محمود نے ان کے حکم کی تعمیل کی، لیکن کافی گہرا گڑھا کھودتے پر بھی کچھ نہ ملا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر کہا:

"ختم کرو.... یہ کیس اس طرح حل نہیں ہو گا۔"

"تو پھر کس طرح حل ہو گا ابا جان؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"دراصل گھر کے افراد میں سے کوئی ایک یا دو کچھ باتیں اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں.... ہمیں ان باتوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں.... یہی وجہ ہے کہ معاملات ہمارے ذہنوں میں صاف نہیں ہو پا رہے.... ویسے تم لوگ اگر ایک کام دکھا دو.... تو شاید ہم کامیابی کے نزدیک

پہنچ جائیں۔"

"آپ حکم کریں.... ہم سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"کام دراصل فاروق کرے گا.... تم دونوں اس کا خیال رکھوگے کہ یہ کسی خطرے میں نہ گھر جائے۔"

"اور یہ کام کس وقت کرنا ہوگا؟"

"رات کے وقت۔" وہ مسکرائے۔

"گویا آپ آج شام مجرم کو بے نقاب نہیں کر رہے۔" فرزانہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو.... شام کو چائے کی میز پر میرا اعلان سن لینا.... آؤ اب چلیں۔"

راز کھلتا ہے

سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ ان کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ نگاہیں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں۔ آخر ناشتا شروع ہوا اور پھر ختم بھی ہو گیا، اس پر بھی انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے تو نواب شاکر سے رہا نہ گیا:

"انسپکٹر جمشید پلیز.... آپ آج اس راز سے پردہ اٹھانے والے تھے۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا تھا، لیکن افسوس.... میں ایسا کر نہیں سکوں گا، کیونکہ کچھ نئی الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں جب تک ان کا حل تلاش نہیں کر لیا جاتا، کچھ نہیں کہا جا سکتا، لہذا ابھی آپ کو ایک آدھ دن اور انتظار کرنا پڑے گا، شاید میں صبح آپ کی بے چینی دور کر سکوں گا۔"

"پہلے ہی وقت بہت مشکل سے کٹ تھا، آپ نے اور بڑھا دیا۔" وقار گردیزی نے پریشان ہو کر کہا۔

"دراصل اس گھر کے ایک یا دو فرد کچھ باتیں چھپائے ہوئے ہیں،"

ان کی وجہ سے یہ الجھنیں پیدا ہوئی ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی
ہم سے تعاون کرتا تو اس وقت تک ہم بہت کچھ آپ کو
بتانے کے قابل ہو چکے تھے.... میں اب بھی ان سے غائبانہ
درخواست کرتا ہوں کہ وہ رات میں کسی وقت نہایت خاموشی سے
میرے کمرے میں آ جائیں اور جو کچھ بتا سکتے ہیں، بتا دیں، یہ قانون
کی مدد ہو گی، ورنہ معلوم تو ہم بھی کر ہی لیں گے۔"

ان کے یہ الفاظ حد درجے عجیب تھے۔ سننے والے حیران ہوئے
بغیر نہ رہ سکے۔ چائے سے فارغ ہو کر سب نے اپنے کمروں
کا رخ کیا۔ پھر رات کے کھانے پر سب لوگ جمع ہوئے، لیکن
اس موضوع پر کوئی بات نہ ہوئی۔ رات کے دس بجے کے
قریب انسپکٹر جمشید محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لے کر حویلی
سے باہر نکل آئے اور انہیں چند ہدایات دیں اور پھر بولے:

"دیکھو! تم ناکام نہیں لوٹو گے، اگر تم ناکام لوٹے تو اس کا
مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے غلط اندازے لگائے ہیں۔ واقعات
کو غلط رخ سے دیکھا ہے اور ہمیں نئے سرے سے تفتیش کرنا
پڑے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان! ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔"
محمود نے کہا۔

"کامیابی کی صورت میں تم جوں کے توں واپس لوٹ آؤ گے...

اور حویلی میں داخل ہونے سے پہلے اچھی طرح جائزہ لے لینا کہ کوئی تمہاری
تاک میں تو نہیں۔"

"جی بہتر!" فاروق بولا۔

"اور ناکامی کی صورت میں؟" فرزانہ نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"اس صورت میں بھی تم تینوں خاموشی سے واپس آؤ گے۔"

"بہت بہتر.... خدا حافظ!" محمود نے کہا۔

ان سے رخصت ہو کر وہ رات کی تاریکی کا سہارا لیتے
ہوئے ایک سمت میں آگے بڑھنے لگے انسپکٹر جمشید واپس مڑے
اور حویلی میں داخل ہوئے.... ابھی کمرے میں داخل ہوئے انہیں
چند منٹ ہوئے تھے کہ انہوں نے برآمدے میں ایک ہلکی سی کراہ
کی آواز سنی، ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ تیزی سے اٹھے اور آواز
پیدا کیے بغیر چٹخنی گرا کر دروازہ تھوڑا سا کھول دیا.... برآمدے
میں کوئی اوندھے منہ پڑا تھا۔ زیرو کے بلب کی روشنی میں وہ یہ
نہ جان سکے کہ کون ہے، آخر کمرے سے نکل کر آگے بڑھے اور
جھک کر دیکھا.... ان کے سامنے فرش پر شرفو بابا اس عالم
میں پڑا تھا کہ اس کی کمر میں ایک خنجر لگا تھا۔ انہوں نے جلدی
سے اس کے دل پر ہاتھ رکھا، ہلکی سی دھڑکن صاف سنائی دے
گی، وہ دوڑ کر فون تک پہنچے، رات کے وقت فون برآمدے
میں رکھ دیا جاتا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر تھانے کے نمبر ڈائل

کیے اور عارف اصفہانی کو ہونے والی واردات کے بارے میں
بتایا.... اس دوران فون مرمت کرایا جا چکا تھا۔

ریسیور رکھ کر وہ نواب شاکر کے دروازے پر آئے اور اسے
دھڑ دھڑا ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد سب شرفو کے ارد گرد کھڑے
خوف زدہ انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے، انسپکٹر جمشید نے سب
کو غور سے دیکھا.... نواب شاکر اور غفار گردیزی دونوں سونے کے
لباس میں تھے اور مزے کی بات یہ کہ دونوں کا لباس بالکل
ایک جیسا تھا..... جلد ہی عارف ہسپتال کے عملے کے ساتھ اندر داخل
ہوا.... ڈاکٹر نے جھک کر شرفو کا معائنہ کیا اور اٹھتے ہوئے بولا:

"فکر کی کوئی بات نہیں، خنجر کی نوک ریڑھ کی ہڈی سے ٹکرائی
ہے، اس لیے خنجر اندر تک نہیں جا سکا..... معمولی سی مرہم پٹی
کرنے کی ضرورت ہے، ہسپتال لے جانے کی ضرورت بھی نہیں،
شاید یہ خوف سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

"اوہ! خدا کا شکر ہے۔" نواب شاکر کی آواز ابھری۔

"حیرت ہے.... آخر اس بے چارے کو خنجر کس نے مارا۔" گردیزی
صاحب بولے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ مجھے کچھ بتانے کے ارادے
سے ہی آ رہا تھا.... لیکن کوئی یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ مجھے کچھ
بتائے، چنانچہ اس نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر ڈالی۔" انسپکٹر

جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے خود ہی اپنی ریڑھ
کی ہڈی میں خنجر مار لیا ہو، تاکہ اس پر کسی قسم کا شک نہ کیا
جائے۔" نواب شاکر نے نئی بات کہی۔

"اوہ ہاں.... اس پہلو پر تو میں نے غور کیا ہی نہیں.... یہ بھی
ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا امکان بہت زیادہ ہے۔" انسپکٹر جمشید
چونک کر بولے۔

"ارے! آپ کے بچے نظر نہیں آئے.... کیا ان کی آنکھ نہیں
کھلی۔" نواب شاکر نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ ایک کام گئے ہیں، تھوڑی دیر تک آ جائیں گے....."

شرفو چونکہ ان کے کمرے کے دروازے کے بہت قریب تھا،
اس لیے انہیں ان کے کمرے میں ہی لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے
زخم پر ٹانکے لگائے اور پٹی کر دی.... اسے دو انجکشن بھی دیے،
تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ انسپکٹر عارف نے خنجر کو
دستے کی طرف سے پکڑ کر اپنے قبضے میں کر لیا۔

"تم.... میں کہاں ہوں۔" انہوں نے شرفو کی آواز سنی۔

"تم اب محفوظ جگہ پر ہو، یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی کمر میں خنجر
کیوں مارا۔" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ج.... جی.... کیا فرمایا آپ نے.... میں نے خنجر کیوں مارا

اپنی کمر میں ..... تو کیا میری کمر میں خنجر مارا گیا ہے ..... اف خدا
.....“ اس کی آواز میں گھبراہٹ شامل ہو گئی۔

”تو پھر تمہارے خیال میں تم بے ہوش کس طرح ہو گئے
تھے ..... اور ہاں تم اپنے کمرے سے کیوں نکلے تھے؟“

”میں ..... میں حویلی کے اندر کا ایک چکر سونے سے پہلے لگایا
کرتا ہوں ..... تاکہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو پوچھ لوں“
اس نے نواب شاکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے، یہ اس کی عادت ہے“ نواب شاکر نے
تصدیق کرنے کے انداز میں کہا۔

”تو پھر کسی کو تمہاری کمر میں خنجر مارنے کی کیا ضرورت تھی“
انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

”یہ تو خنجر مارنے والا ہی بتا سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں
کیا ..... کیا خنجر پر کسی کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں“ نواب
شاکر بولے۔

”اس کا پتا تو اب صبح ہی لگ سکے گا، شرفو بابا اب
رات کا باقی حصہ میرے کمرے میں گزاریں گے ..... میں جاگ کر
ان کی حفاظت کروں گا ..... باقی لوگ آرام کرنے کے لیے
جا سکتے ہیں“

وہ ہچکچاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے اپنے

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر شرفو کے قریب آ
کر دبی آواز میں بولے:

”شرفو بابا کیا تم مجھے کچھ بتانے کے ارادے سے آ رہے
تھے“

”ن ..... نہیں ..... نہیں تو“

”مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں ..... مجھے یقین ہے کہ یہی
بات ہے“ انسپکٹر جمشید زور دار لہجے میں بولے۔

”آ ..... آپ ..... آپ ..... ٹھیک کہتے ہیں“ شرفو کے
منہ سے نکلا۔

عین اسی وقت دروازے کے باہر اُلّو کی آواز سنائی دی۔
انہوں نے دروازے کو باہر سے تالا لگایا اور بیرونی دروازے
پر آئے، یہاں محمود، فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے۔

”کامیابی“ تینوں ایک ساتھ بولے۔

”بہت خوب! مجھے امید بھی یہی تھی کہ تم کامیاب لوٹو گے
..... اندر آ جاؤ، ادھر ایک اور واقعہ ہو چکا ہے“

”ارے وہ کیا“ محمود نے چونک کر کہا۔

”اندر آ کر دیکھ لو“

وہ اندر آئے اور شرفو کو اس حالت میں دیکھ کر حیران
رہ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں تفصیل سنا دی، وہ یہ جان کر

اور بھی حیران ہوئے کہ شرفو کو خنجر اس وقت مارا گیا جب وہ انہیں کچھ بتانے کی نیت سے آ رہا تھا۔

"ہاں تو شرفو بابا.... آپ مجھے کیا بتانا چاہتے ہیں۔" اب انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"ہم.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جان سے نہ مار ڈالے۔"

"کون؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہی جس نے میری کمر میں خنجر گھونپا ہے....."

"تو کیا تم نہیں جانتے، وہ کون ہے؟"

"میرا خیال ہے.... وہ..... نن..... نوا....." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا تم نواب شاکر کا نام لینا چاہتے ہو؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! میرا خیال ہے، مجھ پر وار انہوں نے ہی کیا تھا۔"

"لیکن بھلا انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نہیں جانتا، میں نے ایک جھلک ان کی دیکھی تھی.... گرتے گرتے۔"

"ہوں! خیر..... صبح دیکھیں گے.... تم ہمیں کیا بتانا چاہتے تھے؟"

"یہ کہ نواب شاکر نے ہی اپنے بڑے بھائی کی حویلی میں آگ لگائی تھی۔"

"کیا!!" محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ چلا اٹھے۔

○

صبح سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے..... انسپکٹر عارف اصفہانی بھی آ گیا تھا۔ خنجر کے دستے پر انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ مجرم انتہائی چالاک تھا۔ انسپکٹر جمشید کی خواہش پر شرفو کو بھی ایک سٹریچر پر ڈال کر اسی کمرے میں لے آیا گیا تھا.... سب پر ایک سنسنی خیز کیفیت طاری تھی.... اسی حالت میں ناشتا کیا گیا۔ آخر ناشتے کے بعد انسپکٹر جمشید کی آواز نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"ایک گھنٹے بعد میں اور میرے بچے یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔ بیس سال پہلے ہونے والے حادثے کا راز آج ظاہر ہو جائے گا.... اس جرم کا راز جو بیس سال پہلے کیا گیا تھا اور مجرم جو بیس سال تک قانون کی زد میں آنے سے بچا رہا، آج اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ کچھ مجرم اتنے چالاک بھی ہوتے ہیں کہ خود کو کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو قانون کی نظروں سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں.... لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے نا....

جرم چھپ نہیں سکتا، ٹھیک ہی کہا ہے، ایک وقت آتا ....
ہے جب اسے اپنے جرم کی سزا مل کر رہتی ہے، دنیا والے
اگر اسے سزا نہ دے سکیں تو سزا دینے کے لیے قدرت حرکت میں
آتی ہے.... اس بار ہمارا واسطہ بھی کچھ اسی قسم کے مجرم سے پڑا
ہے.... تفصیل بتانے سے پہلے میں ایک تصویر آپ سب کو
دکھاؤں گا اور یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ کس کی تصویر ہے۔" یہ کہہ
کر وہ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اپنی نوٹ بک کھولی اور اس
میں سے کاغذ پر بنی ایک تصویر نکال کر ان کے سامنے کر دی۔ یہ
تصویر محمود بنائی ہوئی تھی سب لوگ چند لمحے تک تصویر کو غور سے
دیکھتے رہے، پھر نواب شاکر نے حیرت زدہ ہو کر کہا:

"ارے! یہ تو اکبر بیگ کی تصویر نظر آتی ہے۔"

"بہت خوب! مسٹر وقار گردیزی.... آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تصویر اکبر بیگ کی ہے۔"

"شکریہ! اب ذرا ایک اور تصویر دیکھیے....." یہ کہہ کر انہوں نے
نوٹ بک میں سے دوسرا کاغذ نکالا اور اسے کھول کر ان کے
سامنے کر دیا۔ یہ تصویر فاروق کی بنائی ہوئی تھی، لیکن اب اس
تصویر کے گالوں اور ہونٹ پر ڈاڑھی اور مونچھیں بنی ہوئی تھیں....
انہوں نے اس تصویر کو بھی غور سے دیکھا اور پھر بیگم شاکر بول پڑیں۔

"یہ.... یہ تو اپنے شرفو کی تصویر ہے۔"

"آپ کیا کہتے ہیں نواب صاحب۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بیگم کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔"

"اور مسٹر گردیزی.... آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس نے کہا۔

"اب میں آپ کو ایک تماشہ دکھاؤں گا...." یہ کہہ کر انسپکٹر
جمشید نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے ایک ریزر
نکال کر ان کے سامنے لہراتے ہوئے بولے:

"شرفو بابا.... مجھے اجازت دو..... میں تمہاری ڈاڑھی اور مونچھیں
صاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا!!!" وہ بھیانک حد تک خوف زدہ انداز میں چلا اٹھا۔

اس کے چلانے کے انداز نے سب کو بوکھلا دیا سب
سکتے میں آ گئے۔

"ہاں! کیونکہ ابھی ابھی جو دوسری تصویر ان لوگوں نے دیکھی ہے،
بالکل پہلی والی تصویر کے مطابق تھی، دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا
.... میں نے اس کے گالوں اور ہونٹ پر ڈاڑھی اور مونچھیں
بنا دیں.... اسے دیکھتے ہی ان لوگوں نے کہا، یہ شرفو بابا کی
تصویر ہے.... آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اکبر بیگ کی تصویر پر
مونچھیں اگ آئیں تو وہ شرفو نظر آنے لگے.... میں تمہاری ڈاڑھی
صاف کر کے دیکھنا چاہتا ہوں، کہیں تم اکبر بیگ تو نہیں.... تمہارا

یہ چہرہ نقلی تو نہیں .... اس نقلی چہرے کے پیچھے کہیں اکبر بیگ کا چہرہ تو نہیں ہے .... تم نے نقاب کی بجائے ڈاڑھی کا سہارا تو نہیں لیا .... بولو.... کیا تم اکبر بیگ ہو ...... اگر تم یہ کہتے ہو کہ نہیں تو پھر میں اس سیفٹی ریزر کو ضرور استعمال کروں گا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے .... شرفو چند سیکنڈ تک خاموش رہا۔ پھر اس کی کپکپاتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"ہاں! میں اکبر بیگ ہوں۔"

بیس سال پہلے

کمرے میں چند لمحوں کے لیے موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ نواب شاکر اور وقار گردیزی کے ساتھ بیگم شاکر اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی شرفو کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس حویلی میں اکبر بیگ شرفو کے روپ میں اتنے عرصے سے رہ رہا ہے.... گویا شرفو کا چہرہ ..... نقلی چہرہ تھا..... ان سب کے چہرہ تھا.... ان سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال گونج اٹھا.... لیکن کیوں.... اکبر بیگ یہاں کیا کر رہا ہے....

"ابا جان! اکبر بیگ کو شرفو کے روپ میں ملازمت کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔" آخر فرزانہ سے رہا نہ گیا۔

"شرفو.... تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ساری بات اپنے منہ سے بتا دو....!" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"جی بہت بہتر!" اس نے تھرتھراتی آواز میں کہا، چند سیکنڈ کے لیے خاموش رہا، پھر کہنے لگا:

"وہ دن بھی کتنے اچھے دن تھے جب میں نواب فخرالدین کا
ملازم تھا..... وہ کتنے اچھے تھے، کتنے مہربان تھے..... سبھی سے
محبت کرتے تھے..... اپنے بھائی سے بھی، بیوی اور بچے سے
بھی اور مجھ سے بھی.... نواب شاکر اور وقار گردیزی صاحب
بھی وہاں تقریباً ہر روز آیا کرتے تھے..... ایک دن شام کے
وقت شہر سے میری بیوی اپنے ایک سال کے بچے کے ساتھ آ گئی
..... وہ شہر میں رہتی تھی اور میں اسے مہینے میں دو مرتبہ ملنے جایا
کرتا تھا..... ہوا یہ کہ گھر میں کوئی چور گھس آیا اور تمام نقدی
سمیٹ کر چلتا بنا..... وہ بے چاری پریشان ہو کر میرے پاس
چلی آئی۔ اس روز اتفاق سے نواب فخرالدین کے ہاں نہ نواب
شاکر آئے اور نہ وقار گردیزی، نواب صاحب میرے بیوی بچے
سے مل کر بہت خوش ہوئے، انھوں نے ہمیں تسلی دی کہ چوری
ہو گئی تو کیا ہوا، میں نقصان پورا کر دوں گا..... ہم سونے
کے لیے چلے گئے..... اچانک میری آنکھ کھل گئی.... ہر طرف
دھواں بھرا تھا..... میں بوکھلاہٹ میں باہر نکلا تو حویلی کے
چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے، بدحواسی کے عالم میں اندر
کی طرف دوڑا.... نواب فخرالدین کا کمرہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ
چکا تھا..... میں کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہوا.... ننھا صدرالدین
بلند آواز میں رو رہا تھا، میں نے سوچا.... سب سے پہلے اسے

بچایا جائے، چنانچہ دیوار پھلانگ کر باہر نکلا، واپس پلٹا تو دیکھا کہ میرے
کوارٹر میں بھی آگ لگ چکی. چکی تھی.... میں بھرا اٹھا.....
سوچ میں پڑ گیا کہ پہلے نواب صاحب کو بچاؤں یا اپنی بیوی
..... کو..... آخر دل پر جبر کر کے نواب صاحب کی طرف دوڑا
..... لیکن اتنی دیر میں کمرے کے چاروں طرف آگ پوری طرح
بھڑک چکی تھی..... اور دروازے کے دونوں پٹ دھڑا دھڑ
جلنے لگے تھے..... اندر پوری طرح دھواں بھرا ہوا تھا، میں نے
اندازہ لگایا کہ اب میں نواب صاحب اور ان کی بیگم کو نہیں
بچا سکوں گا..... اسی وقت شور سنا:

"اکبر بیگ نے حویلی کو آگ لگا دی.... اکبر بیگ نے حویلی
کو آگ لگا دی....." یہ آوازیں سن کر میں واپس مڑا ہی تھا
کہ ادھر سے میری بیوی آتی نظر آئی..... اس نے چیخ کر کہا....
خدا کے لیے میرے بچے کو بچا لو، بچہ اس کی گود میں تھا،
لیکن بری طرح جھلس گیا تھا..... میں نے اسے دیکھا، وہ دم توڑ
چکا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کا بچہ اللہ کو پیارا ہو
چکا ہے..... وہ روئی، چیخی..... لیکن کیا ہو سکتا تھا۔ اس
عالم میں بچے کو اٹھائے پھرنا مشکل تھا، بچے کو وہیں برآمدہ
میں چھوڑا اور بیوی کو لے کر باہر نکلا.... نواب صاحب کا
بچہ باہر چھوڑ گیا تھا، وہ وہیں ملا۔ اسے اٹھا کر گود میں لیا

اور قصبے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ادھر سے لوگوں کا ہجوم آتا
نظر آیا، وہ سب چیختے چلاتے آرہے تھے۔ ان میں سے
دو چلا کر بولے..... "معلوم ہوتا ہے..... اکبر بیگ نے حویلی
کو آگ لگا دی ہے۔"

یہ آوازیں سن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی
..... میرا بچہ جان سے جا چکا تھا اور حویلی جلانے یعنی نواب
فخر الدین اور ان کی بیوی کو ہلاک کرنے کا الزام بھی میرے
سر آرہا تھا..... بس مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا، وہاں سے حویلی
کے پچھلے حصے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا..... اور جنگل کے راستے
دور نکل گیا.... پھر شہر پہنچ گیا..... نواب صاحب کا بیٹا ابھی
ایک سال کا تھا..... لہٰذا محلے میں کسی کو اس تبدیلی کا پتا نہ
چلتا، لیکن میں نے پھر بھی اس محلے میں رہنا پسند نہ کیا، شہر
میں میری بہن کا ایک چھوٹا سا مکان خالی پڑا تھا، اس کا
خاوند اسے لے کر دوسرے شہر میں جا بسا تھا، بہن مکان کی
چابی مجھے دے گئی تھی، ایسے میں مجھے اس مکان کا خیال
آیا، وہاں میں نے دس سال گزارے، لڑکا اب سکول میں جانے
لگا تھا؛ چنانچہ میں نے قصبہ اعظم آباد کا رخ کیا، اس دوران
میں نے ڈاڑھی رکھ لی تھی اور اسے برابر بڑھاتا چلا گیا تھا۔ قصبہ
اعظم آباد میں مجھے کوئی نہ پہچان سکا.... میں نے نواب شاکر

کے ہاں باورچی کی ملازمت کر لی۔ وقت گزرتا رہا، لیکن میں کسی
طرح بھی یہ معلوم نہ کر سکا کہ دس سال پہلے حویلی میں آگ کس نے
لگائی تھی.... کئی بار میں نے جلی ہوئی حویلی کا بھی چھپ کر
جائزہ لیا.... لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ دس سال گزر
گئے.... اب صدر الدین بیس سال کا ہو چکا تھا، یہ بہت ذہین
نکلا تھا، میں نے بیس سال پہلے کے حادثے کے بارے میں اسے
پوری تفصیل سے سنایا، یہ آپ کے اور آپ کے بچوں کے کارناموں
سے اچھی طرح واقف تھا.... چنانچہ اس کے ذہن میں ایک عجیب
منصوبے نے جنم لیا، اس نے نواب فخر الدین کے نام سے ایک
اشتہار شائع کرایا اور اگلے دن نیشنل پارک میں جا کر بیٹھ گیا۔ اسے
یقین تھا کہ محمود اور فاروق اسے ضرور دیکھیں گے، اشتہار میں اس
نے جان بوجھ کر یہ لکھا تھا کہ صدر الدین غائب دماغ نوجوان ہے
اور کبھی کبھار اس کی یادداشت گم بھی ہو جاتی ہے، چنانچہ اس
طرح صدر الدین یہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، میں اس سے پہلے
ہی آ چکا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ لوگ ضرور بیس سال پہلے
ہونے والے جرم کا سراغ لگا لیں گے، اس میں کوئی شک نہیں
کہ حویلی میں آگ خود بخود نہیں لگی تھی، بلکہ لگائی گئی تھی، کیونکہ آگ
یکایک چاروں طرف بھڑک اٹھی تھی.... اور پھر دوڑ کر آنے والوں
کا یہ نعرہ لگانا کہ اکبر بیگ نے حویلی میں آگ لگا دی.... اس سے

بھی صاف ظاہر ہے کہ آگ لگانے والا یہ چاہتا تھا، اس پر کوئی
شک نہ کریں، صرف اور صرف اکبر بیگ شک کی زد میں آئے، اب
یہ معاملہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں پوری طرح آ چکا ہے.....
میری کہانی تو بس اتنی ہی ہے..... صدر الدین بھی یہاں موجود ہیں
یہ جل کر مر جانے والے نواب کی واحد نشانی ہیں۔" یہ کہہ کر شرفو
عرف اکبر بیگ خاموش ہو گیا۔

چند لمحے تک سب لوگ خاموش رہے، ہر کوئی اپنی جگہ
پر سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر نواب شاکر نے سر اٹھایا:

"تمہارے پاس اس بات کا تو کوئی ثبوت نہیں ہو گا کہ آگ تم
نے نہیں لگائی تھی۔"

"اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ میرا بچہ آگ میں جل مرا
تھا، اور نواب صاحب کے بچے کو میں نے بیس سال تک
پالا ہے....." شرفو بولا۔

"یہ تمہارا بیان ہے.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میرے
بھائی کا بیٹا بھی آگ میں جل مرا ہو اور اب تم اپنے بیٹے
کو نواب صاحب کا بیٹا کہہ رہے ہو۔" نواب شاکر بولے۔

"تب پھر صدر الدین کی شکل نواب فخر الدین سے اس حد
تک کس طرح مل سکتی ہے....." شرفو نے اعتراض کیا۔

اس بات کا نواب شاکر کوئی جواب نہ دے سکے، چند

لمحے تک خاموش رہے، پھر بولے:

"تو تمہارے خیال میں آگ میں نے لگوائی تھی، اپنے آدمیوں
کے ذریعے..... لیکن آخر مجھے اس سے کیا فائدہ تھا۔"

"ان کے حصے کی دولت.... جائداد.... جو اب آپ کے قبضے
میں ہے اور خاص طور پر وہ اڑھائی ہزار اشرفیاں.... جو تقریباً پچیس
لاکھ روپے کی بنتی ہیں....." شرفو نے کہا۔

"لیکن میرے پاس صرف میرے حصے کی اڑھائی ہزار اشرفیاں موجود
ہیں، جو آج تک جوں کی توں موجود ہیں۔" نواب شاکر چلا اٹھے۔

"یہ مسئلہ اس طرح حل نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے دخل دیا....
سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو پھر کس طرح حل ہو گا.... الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔" وقار
گردیزی نے بے چین ہو کر کہا۔ "اب تو میں بھی اپنے دوست
اور اس کے بیوی بچے کے قتل کا راز جاننے کے لیے بے چین ہو
گیا ہوں۔"

"فکر نہ کریں، اب بہت جلد یہ راز معلوم ہونے والا ہے۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا اور نواب شاکر کی طرف مڑے:

"نواب صاحب! کیا آپ اپنی تجوری کی تلاشی دینا پسند کریں گے
..... اگر آپ کی تجوری میں سے صرف اڑھائی ہزار اشرفیاں نکلیں تو ہم
سمجھیں گے کہ حویلی میں آگ آپ نے نہیں لگوائی تھی۔"

"ٹھیک ہے، میں تلاشی دینے کے لیے تیار ہوں۔" نواب شاکر نے فوراً کہا۔

"لیکن جناب! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اشرفیاں کہیں اور چھپا دی ہوں۔" شرفو نے بے چین ہو کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم پوری حویلی کی تلاشی لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ نواب شاکر اٹھ کھڑے ہوئے ..... سب لوگ ان کے پیچھے چلتے تجوری تک آئے۔ انہوں نے تالا کھولا اور تجوری کے پاس سے ہٹ گئے:

"لے لیجیے تلاشی۔"

تجوری کو اچھی طرح دیکھا بھالا گیا، لیکن اس میں سے صرف اڑھائی ہزار اشرفیاں، دوسرے زیورات اور نقدی نکلی۔ اس کے بعد انہوں نے پوری حویلی کو بھی دیکھا بھالا ..... پھر تھک ہار کر واپس ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے:

"اس مسئلے کا اب صرف اور صرف ایک ہی حل نظر آتا ہے۔" انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ..... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" نواب شاکر نے حیران ہو کر کہا۔

"واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اکبر بیگ کا بیان بالکل درست ہے، صدر الدین صاحب واقعی نواب فخر الدین کے بیٹے ہیں، ان

حالات میں حویلی میں آگ لگانے والے صرف اور صرف نواب شاکر ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے پاس سے اشرفیاں برآمد نہیں ہو سکیں جس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حویلی میں آگ نواب صاحب نے نہیں بلکہ وقار گردیزی نے لگوائی تھی۔"

"کیا!!" اکبر بیگ، نواب شاکر، ان کی بیگم اور عارف اصفہانی چلا اٹھے۔

"یہ کیا بکواس ہے ....." وقار گردیزی نے برا سا منہ بنایا۔

"اگر یہ بکواس ہے تو پھر اڑھائی ہزار اشرفیاں آپ کے گھر میں کیوں موجود ہیں۔"

"کون کہتا ہے ..... اشرفیاں میرے گھر میں ہیں۔" وقار گردیزی چیخا۔

"میں کہتا ہوں ..... میرے بچے کہتے ہیں ..... اور کچھ دیر بعد سب یہ بات کہہ سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید ڈرامائی انداز میں بولے۔

"غلط بالکل غلط ..... اشرفیاں میرے گھر میں نہیں ہیں۔"

"انسپکٹر عارف صاحب ..... محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لے کر وقار گردیزی کے گھر چلے جائیے ..... اپنے ساتھ پولیس کے دو چار ذمے دار افسر بھی لے جائیے، ایک مجسٹریٹ بھی ضروری ہے ..... بلکہ ہم لوگ بھی ساتھ ہی چلتے ہیں تاکہ سب اپنی آنکھوں سے اشرفیاں برآمد ہوتے دیکھ سکیں ..... میرے بچے پوشیدہ چیزوں کو بہت جلد تلاش کر لینے کے ماہر ہیں ..... یہ انشاء اللہ چند

منٹوں میں اشرفیاں تلاش کر لیں گے۔"

"اور میں کہتا ہوں، یہ ایسا نہیں کر سکیں گے اور میں تم لوگوں پر ہتکِ عزت کا دعویٰ کر دوں گا۔"

"اگر اشرفیاں نہ ملیں تو ضرور کر دیجیے گا۔"

انسپکٹر عارف نے انسپکٹر جمشید کے اشارے پر فون کر کے ایک مجسٹریٹ اور چند دوسرے آفیسروں کو بلا لیا، پھر یہ قافلہ وقار گردیزی کے گھر کی طرف چل پڑا..... اس کی بیوی...... نے اس قافلے کو دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں..... اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ جونہی دیوار میں بنے ایک خفیہ خانے کی طرف بڑھے، وقار گردیزی دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ انسپکٹر عارف نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ خفیہ خانہ کھلتے ہی اشرفیوں کی جھلک دکھائی دینے لگی.....

"اف خدا! میں اپنے بھائی کے قاتل کو اتنے عرصے تک اپنا دوست بنائے رہا۔" نواب شاکر نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"یہ اشرفیاں اب مسٹر صدر الدین کی ہیں، وہ جس طرح چاہیں، انہیں خرچ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں اپنے بابا کے ساتھ ہی رہنا پسند کروں گا..... اس حویلی کو دوبارہ تعمیر کراؤں گا اور اس میں ان کے ساتھ رہوں گا، بقیہ رقم سے کاروبار کروں گا۔"

"ابھی تمہارے حصے کی زمین بھی میرے پاس ہے میرے بچے..... وہ بھی تمہاری ہے..... بلکہ میں بھی لاولد ہوں..... میرا بھی سب کچھ تمہارا ہے۔" یہ کہہ کر نواب شاکر نے صدر الدین کو گلے سے لگا لیا۔ وہاں موجود سب لوگوں کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے، آنکھیں اگر خشک تھیں تو صرف ایک شخص کی۔

"چلیے ابا جان! آپ کا ایک گھنٹا بھی پورا ہو گیا، شاید آپ نے پہلے ہی حساب لگا لیا تھا کہ اس کام میں پورا ایک گھنٹا صرف ہو گا..... مجھے افسوس یہ ہے کہ جن پچیس ہزار روپے کے لیے ہم آئے تھے..... ان کا یہاں دور دور تک پتا نہیں۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ سب لوگ مسکرانے لگے۔ نواب شاکر نے یہ سن کر کہا:

"نہیں! آپ لوگوں کو پچیس ہزار ضرور ملیں گے..... یہ آپ کا حق ہے۔"

"آپ ہمیں پچیس ہزار دے دیں گے، تب بھی ہمیں نہیں ملیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم تو کسی نیک مقصد کے لیے وہ پچیس ہزار حاصل کرنے چلے تھے، اپنے لیے نہیں، مہربانی فرما کر آپ خود ہی پچیس ہزار روپے کسی مسجد کی تعمیر پہ لگا دیں..... ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔"

"بہت اچھا! میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔" انہوں نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جیپ میں بیٹھے واپس جا رہے تھے ..... اور سب لوگ انہیں الوداع کہہ رہے تھے....

"ابّا جان! آخر آپ نے مجرم کے بارے میں کس طرح اندازہ لگایا؟" محمود نے پوچھا۔

"صرف ایک بات سے .... ورنہ اس پر شک کرنا بہت مشکل تھا..... اس نے شرفو کو خنجر مارا تو شرفو نے اس کی جھلک دیکھ لی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ ضرور نواب صاحب تھے، لیکن جب میں نے دروازے پر کھڑے لوگوں کا جائزہ لیا تو اس وقت گرزیزی بھی اسی قسم کے اور رنگ کے لباس میں تھا، جس میں نواب شاکر تھے۔"

"اوہ!" ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"بھئی محمود.... میں نے نیشنل پارک میں تم سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ میں گم شدگی وغیرہ کے اشتہار بغور دیکھا کروں گا، لیکن اب میں اپنے وعدے سے باز آتا ہوں.... یہ کیس تو ہمارے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں کہ جس معاملے میں دور دور تک کسی چکر چلنے کا امکان نہیں ہوتا، اس میں بھی کیس شروع ہو جاتا ہے.... مجھے تو ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ کیس ہمارا قبر تک پیچھا کریں گے۔"

"ذرا مڑ کر دیکھ لو.... کہیں اس وقت بھی کوئی تمہارے تعاقب میں نہ ہو۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ارے باپ رے۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور تیزی سے گردن موڑی، نتیجہ یہ کہ سر فرزانہ کے سر سے ٹکرایا۔ اس نے جھلّا کر ایک مکّا فاروق کے منہ پر دے مارا، وہ تیزی سے جھک گیا، چنانچہ مکّا محمود کی ٹھوڑی پر لگا۔ محمود بھنا اٹھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر فرزانہ کے بال پکڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ انسپکٹر جمشید تنگ آ کر بولے:

"ٹھہرو بھئی! میں گاڑی روک دیتا ہوں، نیچے اتر کر شوق پورا کر لو۔"

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۴۷

ہولناک لمحے

مصنف : اشتیاق احمد

- انسپکٹر جمشید کو صدرِ مملکت کا ایک فون موصول ہوا —
- فون حد درجے عجیب تھا، سنسنی خیز تھا —
- صدر صاحب ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے —
- انسپکٹر جمشید محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ وہاں پہنچے تو ایک عجیب صورتِ حال نے انھیں گھیر لیا —
- انھیں دو راستوں میں سے ایک راستا چننا تھا، لیکن دونوں راستے انھیں تباہی کی طرف لے جاتے تھے، پھر انھوں نے کیا کیا —
- ۲۰ جون کو پڑھیے — قیمت : دس روپے —